شعبان المعظم ۱۴۴۴ھ
مارچ ۲۰۲۳ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات

تنظیمِ اسلامی

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

قرآن حکیم کو سیکھنے سکھانے کی فضیلت

احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

داعیٔ رجوع الی القرآن بانیٔ تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمۂ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

اب دو انداز سے دستیاب ہے

- خوبصورت ٹائٹل ● عمدہ سفید کاغذ ● معیاری طباعت

1 2935 صفحات پر مشتمل، سات جلدوں میں
(الگ الگ جلدیں بھی دستیاب ہیں!)
مکمل سیٹ کی قیمت: 6000 روپے

2 متعدد اضافی خوبیوں کا حامل، طبع جدید

- قرآنی رسم الخط ● تفسیری سائز ● مضبوط رنگین جلد

2560 صفحات پر مشتمل، چار جلدوں میں
مکمل سیٹ کی قیمت: 6400 روپے

مکتبہ خُدّام القرآن لاہور
36-K، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

جلد : 72
شمارہ : 3
شعبان المعظم 1444ھ
مارچ 2023ء
فی شمارہ : 50روپے
سالانہ زرِتعاون: 500 روپے

مُدیر
حافظ عاکف سعید

مجلس ادارت:
ایوب بیگ مرزا، خورشید انجم

نائب مُدیر
حافظ خالد محمود خضر

ادارتی معاون:
حافظ محمد زاہد، محمد خلیق

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700، فون: 3-35869501
فیکس: 35834000، ای میل: maktaba@tanzeem.org
ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
رابطہ برائے ادارتی امور: 38939321(042)
publications@tanzeem.org
ویب سائٹ: www.tanzeem.org
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: ”دارالاسلام“ ملتان روڈ چوہنگ لاہور
(پوسٹل کوڈ 53800) فون: 78-35473375(042)
پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال — 5
حقیقی آزادی: صرف نظامِ خلافت — ادارہ

بیانُ القُرآن — 9
سورۃ نوح — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

تذکرہ وتبصرہ — 19
قرآن حکیم کو سیکھنے سکھانے کی فضیلت احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

حسنِ عبادت — 37
ذکرِ الٰہی کی اہمیت — احمد علی محمودی

آگاھیٔ منکرات — 49
مسلمان کی متاع: حیا اور ایمان — مرکزی شعبہ تعلیم وتربیت

دعوتِ فکر — 54
حیاتِ انسانی کی اُلجھنیں — راحیل گوہر صدیقی

حسنِ معاشرت — 61
خطبۂ نکاح کا پیغام — مولانا عبدالمتین

انوارِ ھدایت — 69
اخلاقِ حسنہ کی اہمیت — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اصلاحِ معاشرہ — 79
مثالی معاشرہ: قرآن کی نظر میں — محفوظ الرحمٰن قاسمی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

حقیقی آزادی: صرف نظامِ خلافت

مہنگائی کے طوفان نے جہاں اور بہت سے رازوں سے پردہ اُٹھایا وہاں دنیا پر مسلط سرمایہ دارانہ نظام کے کریہہ چہرے سے بھی نقاب اُلٹ دیا‘ جسے مغرب نے نام نہاد جمہوریت کے خوبصورت اور دلکش لبادوں میں چھپا کر دنیا کے سامنے آزادی کی نیلم پری کے طور پر پیش کیا تھا۔ دنیا اس راز سے بے نیاز ہو کر کہ جمہوریت میں درحقیقت ان کی آزادی سرمایہ داروں کے ہاں رہن رکھ دی گئی ہے‘ اسے نجات کا پروانہ سمجھ رہی تھی‘ حالانکہ اہلِ دانش و بینش کے نزدیک یہ امر کبھی بھی راز نہ تھا اور وہ ببانگِ دُہل دنیا کے سامنے کہہ رہے تھے ؎

ہے وہی سازِ کُہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تُو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری!

لیکن کیا کیجیے عوام کی سادہ دلی کا کہ وہ سرمایہ داروں کے زرخرید میڈیا کے پروپیگنڈے کے زیر اثر عالمی ساہوکاروں کے لیے کمائی کی مشین بننے کے بعد بھی یہی سمجھتے رہیں گے کہ جبر و استبداد کے قصے صرف بادشاہوں یا آمروں کے دور میں ممکن تھے‘ موجودہ عہد تو جمہوریت کا ہے جس میں جبر و استبداد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سرمایہ داروں کے وظیفہ خوار دانشور جمہوریت کی تعریف میں ہمہ وقت رطب اللسان رہیں گے۔ عوام سیاسی مداریوں کے دامِ فریب میں گرفتار ہو کر بظاہر جمہوریت کے لیے اپنا قیمتی وقت‘ پیسہ اور اپنی جانیں لگا کر درحقیقت سرمایہ داری نظام کے پنجۂ استبداد کو مضبوط سے مضبوط تر کرتے رہیں گے۔ یوں روز بروز بڑھتی ہوئی مہنگائی اور ٹیکسوں کی بھرمار کی وجہ سے اپنی رگوں سے لہو کا آخری قطرہ تک نچوڑ کر سرمایہ داروں کی تجوریاں بھرتے رہیں گے۔

اپنے ملک میں ہی دیکھ لیجیے! ہر الیکشن میں ایک دو درجن سیاسی کارکن اپنی جانیں ہار جاتے ہیں‘ لیکن انہیں خبر بھی نہیں ہوتی کہ جنہیں وہ اپنی آزادی اور حقوق کے علمبردار اور قوم کے نمائندے سمجھ رہے ہیں وہ درحقیقت عالمی سامراج کے کٹھ پتلی ثابت ہوں گے۔ حکومت میں آنے کے بعد قومی مفادات اور عوامی خواہشات کے برعکس صرف عالمی سامراجی ایجنڈے کو آگے بڑھائیں گے۔ ہر پالیسی‘ ہر بل‘ ہر فیصلہ اور ہر اقدام قومی اقدار و نظریات اور عوامی جذبات کے بجائے سامراجی قوتوں کی خواہشات کے مطابق ہوگا۔ چاہے ملک دیوالیہ ہو جائے یا قوم عالمی سامراج کی محکوم بن جائے‘ انہیں کوئی پرواہ نہیں ہوگی۔ یہ تو یہی کہیں گے کہ ہم منتخب ہو کر آئے ہیں اور عوام نے ہمیں مینڈیٹ دیا ہے۔

بے چارے عوام جنہیں الیکشن سے قبل ’’عوام کی حکومت‘ عوام کے لیے‘‘ کا سلوگن پڑھایا جاتا ہے اب یہ تک پوچھنے کا اختیار بھی نہیں رکھتے کہ کیا یہ مینڈیٹ اس لیے دیا گیا تھا کہ عالمی ساہوکاروں سے قرضے لے لے کر ملک کو عالمی سامراج کا غلام بنا دیا جائے؟ مہنگائی اور ٹیکسوں کے پہاڑ تلے عوام کو روند دیا جائے؟ آزادیٔ نسواں کے نام پر خاندانی نظام کو تلپٹ کر دیا جائے یا ماؤں‘ بہنوں‘ بیٹیوں کو چوک چوراہوں میں کھڑا کر دیا جائے؟ ٹرانسجینڈر قانون بنا کر معاشرتی اقدار کو مغربیت کے پاؤں تلے روند دیا جائے؟ ان سب سوالوں کا جواب نفی میں ہے تو پھر یہ فیصلے کس کے اشارے پر ہو رہے ہیں؟ ہر حکومت جانتی ہے کہ ایسے اقدامات محض قومی اقدار و نظریات کے خلاف ہی نہیں بلکہ ملکی اساس کے بھی متضاد ہیں۔ ایک طرف ملک میں اسلام کا گلا گھونٹنا‘ مذہبی شعار و رسومات پر پابندیاں اور دوسری طرف ویلنٹائن ڈے‘ عورت مارچ‘ ہولی‘ دیوالی‘ کرسمس اور دیگر غیر اسلامی تہوار و تہذیب کی حوصلہ افزائی کیا معنی رکھتا ہے؟ اس کے باوجود بھی ہماری ہر حکومت یہ سب کرتی ہے تو دیکھنا ہوگا کہ کون سی ایسی خفیہ قوتیں ہیں جو ایک آزاد ملک کو اپنی مرضی کے مطابق چلانا چاہتی ہیں۔ ان سب اقدامات سے وہ آخر کار کیا چاہتی ہیں؟

ان بنیادی سوالات کے جوابات جاننا آج کی سب سے اہم ضرورت ہے۔ ہمارے تمام تر مسائل اور مصائب کا حل انہی میں پنہاں ہے۔ ان بنیادی حقائق کو تسلیم کیے بغیر ہم بحیثیت آزاد قوم ترقی نہیں کر سکتے‘ نہ اپنی مرضی سے اپنے مستقبل کے فیصلے کر سکتے ہیں اور نہ ہی

اپنی مرضی کی ایسی حکومت لا سکتے ہیں جو قومی اقدار و نظریات کے مطابق فیصلے کرنے میں آزاد و خودمختار ہو۔ چنانچہ موجودہ معاشی بحران اور مہنگائی کے طوفان میں ان سوالات کے کافی وشافی جوابات موجود ہیں۔

جمہوریت کی معلوم تاریخ بتاتی ہے کہ اس کے نام پر انسانیت کے ساتھ صرف کھلواڑ ہی ہوا‘ جبکہ اصل اختیارات ہمیشہ سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے پاس ہی رہے۔ مغرب اپنے آپ کو جمہوریت کا چیمپئن قرار دیتا ہے۔ تاریخی طور پر اپنے آپ کو یونان اور روم سے منسلک کرتے ہوئے اس بات کا دعویدار بنتا ہے کہ جمہوریت کی صورت میں عوامی فلاح کا بہترین نظام انہوں نے دنیا کو دیا۔ سوال یہ ہے کہ کیا یونان اور روم کی جمہوریتیں فی الواقع عوامی تھیں؟ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ وہاں سینیٹ تمام کی تمام سرمایہ داروں‘ جاگیرداروں اور جرنیلوں پر مشتمل ہوتی تھی؟ کیا اسمبلیوں میں عام آدمی کی رسائی ممکن تھی؟ حقیقت یہ ہے کہ یونان میں سب سے پہلے جمہوریت کا شوشہ اُس وقت (۵۰۸ ق م میں) چھوڑا گیا جب مطلق العنان بادشاہت کو عوامی ردِّعمل اور فوجی جاگیرداروں سے خطرہ محسوس ہوا۔ اسی طرح روم میں جمہوریت کی شروعات اُس وقت ہوئیں جب سرمایہ داروں (سینیٹرز لوکس‘ جونیس اور بروٹس) نے بادشاہ جولیئس سیزر کو قتل کرنے کے بعد اقتدار اپنے قبضے میں کرنے کی کوشش کی۔ اسی کوشش کے نتیجے میں ۴۵۱ ق م میں دس رکنی کمیٹی تشکیل دی گئی جس نے سپارٹا کے نقشِ قدم پر روم میں جمہوری ڈھانچے کی بنیاد رکھی۔ تاریخ گواہ ہے کہ اس کمیٹی میں بھی دس کے دس ارکان سرمایہ دار اور جاگیردار تھے۔ یوں سرمایہ داروں‘ فوجی جرنیلوں اور اشرافیہ نے قوت‘ دولت اور اختیارات کو اپنے ہاتھوں میں رکھنے کے لیے جمہوریت کے نام پر ایک ایسا نظام متعارف کرایا جس میں عام آدمی کو حکومت میں حصہ دار بنانے کا جھانسا دے کر بغاوت کے امکانات کو دبا دیا گیا۔ البتہ یہ فراڈ زیادہ عرصہ تک نہ چل سکا۔ یونان میں ۳۷۱ق م میں جنگ Leuctra میں بالآخر فلپ میسیڈونین دوم کے ہاتھوں اس جمہوری ڈرامے کا ڈراپ سین ہوا۔

انسانیت کے ساتھ جمہوریت کے نام پر دھوکے کا دوبارہ آغاز سولہویں صدی عیسوی میں ہوا‘ لیکن اس وقت سے آج تک صرف سرمایہ دار ہی حکومت کر رہے ہیں۔ اگرچہ مغربی جمہوریت نے اپنے عوام کو زندگی کی بنیادی سہولتیں بھی فراہم کی ہیں جن میں تعلیم اور صحت خاص

طور پر قابل ذکر ہیں‘ لیکن یہ بھی سرمایہ دارانہ نظام کے سرپرستوں کا ایک طریقہ واردات ہے کہ وہ عوام کو ایک حد تک اچھی زندگی گزارنے میں مدد تو کرتے ہیں لیکن اُنہیں اس پوزیشن میں نہیں آنے دیتے کہ وہ نظام پر کوئی کاری ضرب لگا سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ اور برطانیہ میں آج بھی کوئی غریب یا متوسط طبقے کا آدمی الیکشن لڑنے کا تصور نہیں کر سکتا۔ امریکہ میں صدارتی انتخاب میں ایک اُمیدوار کو جتنا سرمایہ درکار ہوتا ہے‘ ایک عام آدمی اس کا سوچ بھی نہیں سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ مغربی جمہوریت کی بنیاد اس دجالی فلسفہ پر ہے کہ منظر عام پر نظام کچھ اور نظر آئے لیکن در پردہ کچھ اور ہو۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد ایسی قوتوں میں intelligence agencies کا غلبہ ہوا۔ برطانیہ کی MI-5 اور MI-6‘ جبکہ امریکہ کی سی آئی اے کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ سی آئی اے نے ساٹھ کی دہائی میں خلیج خنازیر کے مسئلہ پر اختلاف کی بنیاد پر اپنے ہی صدر کینیڈی کو ٹھکانے لگا دیا تھا۔ اسی طرح امریکی صدر ریگن کی مرضی کے خلاف ایران گیٹ اسکینڈل بھی کافی شہرت کا حامل ہے۔ کیا صدر کینیڈی اور ریگن امریکی عوام کے ووٹوں سے منتخب ہو کر نہیں آئے تھے؟ دوسری طرف برطانیہ جسے جمہوریت کی جائے پیدائش کہا جاتا ہے‘ وہاں بادشاہت کا تاج ابھی تک جگمگا رہا ہے‘ صرف اس لیے کہ تمام کا تمام شاہی خاندان فری میسن سوسائٹی کا رکن ہے اور یہی وہ خفیہ ادارہ ہے جو سودی اور سرمایہ دارانہ نظام کے ذریعے دنیا کو اپنے کنٹرول میں کر چکا ہے۔ دنیا کے تمام بڑے بینکوں کی ملکیت ان کے پاس ہے۔ حکمران چاہے وہ جمہوری ہوں یا آمر‘ ان کا ہر جائز و ناجائز حکم ماننے پر مجبور ہیں۔ یہ قوتیں اپنے دجالی ایجنڈے کو پوری دنیا پر مسلط کرنے کے لیے آزاد ہیں۔ ان کے راستے میں اگر کوئی رکاوٹ ہے تو صرف نظامِ خلافت ہے۔ لہٰذا یہ گروپ اپنی پروردہ انٹیلی جنس ایجنسیوں کے ذریعے مختلف مقامات پر دہشت گردی کے واقعات کروا کر نہ صرف اسلام اور نظامِ خلافت کو بدنام کر رہا ہے بلکہ حکمرانوں کو مجبور کر کے ایسی قانون سازیاں بھی کروا رہا ہے کہ نظامِ خلافت کی آواز سر نہ اُٹھا سکے۔

لہٰذا یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ مسلمان جب تک نظامِ خلافت کے لیے متحرک اور متحد نہیں ہو جاتے وہ عالمی سامراجی قوتوں کے چنگل سے قطعی طور پر آزاد نہیں ہو سکتے۔ عالمی سامراجی قوتیں کہیں فوجی ڈکٹیٹروں کے ذریعے اور کہیں نام نہاد جمہوری حکمرانوں کے ذریعے عالمِ اسلام پر مسلط رہیں گی اور ان کے ذریعے اسلام مخالف قانون سازیاں ہوتی رہیں گی۔

(باقی صفحہ 36 پر)

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ نُوح

آیات ۱ تا ۲۰

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖۤ اَنۡ اَنۡذِرۡ قَوۡمَکَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ
یَّاۡتِیَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱﴾ قَالَ یٰقَوۡمِ اِنِّیۡ لَکُمۡ نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۲﴾ اَنِ
اعۡبُدُوا اللّٰہَ وَاتَّقُوۡہُ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ﴿۳﴾ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِکُمۡ وَ
یُؤَخِّرۡکُمۡ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ ۘ لَوۡ
کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُ قَوۡمِیۡ لَیۡلًا وَّ نَہَارًا ﴿۵﴾
فَلَمۡ یَزِدۡہُمۡ دُعَآءِیۡۤ اِلَّا فِرَارًا ﴿۶﴾ وَ اِنِّیۡ کُلَّمَا دَعَوۡتُہُمۡ لِتَغۡفِرَ لَہُمۡ
جَعَلُوۡۤا اَصَابِعَہُمۡ فِیۡۤ اٰذَانِہِمۡ وَ اسۡتَغۡشَوۡا ثِیَابَہُمۡ وَ اَصَرُّوۡا وَ
اسۡتَکۡبَرُوا اسۡتِکۡبَارًا ﴿۷﴾ ثُمَّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُہُمۡ جِہَارًا ﴿۸﴾ ثُمَّ اِنِّیۡۤ اَعۡلَنۡتُ
لَہُمۡ وَ اَسۡرَرۡتُ لَہُمۡ اِسۡرَارًا ﴿۹﴾ فَقُلۡتُ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ ؕ اِنَّہٗ
کَانَ غَفَّارًا ﴿۱۰﴾ یُّرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَیۡکُمۡ مِّدۡرَارًا ﴿۱۱﴾ وَّ یُمۡدِدۡکُمۡ
بِاَمۡوَالٍ وَّ بَنِیۡنَ وَ یَجۡعَلۡ لَّکُمۡ جَنّٰتٍ وَّ یَجۡعَلۡ لَّکُمۡ اَنۡہٰرًا ﴿۱۲﴾ مَا
لَکُمۡ لَا تَرۡجُوۡنَ لِلّٰہِ وَقَارًا ﴿۱۳﴾ وَ قَدۡ خَلَقَکُمۡ اَطۡوَارًا ﴿۱۴﴾ اَلَمۡ
تَرَوۡا کَیۡفَ خَلَقَ اللّٰہُ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۵﴾ وَّ جَعَلَ الۡقَمَرَ فِیۡہِنَّ
نُوۡرًا وَّ جَعَلَ الشَّمۡسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾ وَ اللّٰہُ اَنۡۢبَتَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ
نَبَاتًا ﴿۱۷﴾ ثُمَّ یُعِیۡدُکُمۡ فِیۡہَا وَ یُخۡرِجُکُمۡ اِخۡرَاجًا ﴿۱۸﴾ وَ اللّٰہُ جَعَلَ
لَکُمُ الۡاَرۡضَ بِسَاطًا ﴿۱۹﴾ لِّتَسۡلُکُوۡا مِنۡہَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾

آیت ۱ ﴿اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖۤ﴾ ’’ہم نے بھیجا تھا نوحؑ کو اُن کی قوم کی طرف‘‘ ﴿اَنۡ اَنۡذِرۡ قَوۡمَکَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ①﴾ ’’کہ خبردار کر دو اپنی قوم کو اس سے پہلے کہ آ دھمکے ان پر ایک دردناک عذاب۔‘‘

آیت ۲ ﴿قَالَ یٰقَوۡمِ اِنِّیۡ لَکُمۡ نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ②﴾ ’’آپؑ نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! مَیں تمہارے لیے واضح طور پر ایک خبردار کرنے والا ہوں۔‘‘

آیت ۳ ﴿اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ وَاتَّقُوۡہُ وَاَطِیۡعُوۡنِ ③﴾ ’’کہ تم لوگ اللہ کی بندگی کرو‘ اُس کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔‘‘

یہاں نبیؑ اور رسولؑ میں فرق کے حوالے سے یہ نکتہ نوٹ کر لیجیے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے اپنی اطاعت کا مطالبہ اللہ کے ’’رسول‘‘ کی حیثیت سے کیا تھا۔ کسی ’’نبیؑ‘‘ نے اپنی قوم سے کبھی یہ نہیں کہا کہ تم لوگ میری اطاعت کرو۔ سورۂ یوسفؑ میں ہم حضرت یوسف علیہ السلام کے تفصیلی حالات پڑھ چکے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نبی تھے۔ آپؑ نے مصر کے بادشاہ کو یہ نہیں کہا کہ میں نبی ہوں‘ تم میری اطاعت کرو‘ اور نہ ہی آپؑ نے مصر کے لوگوں سے مخاطب ہو کر یوں کہا کہ مجھ پر ایمان لاؤ ورنہ تم پر اللہ کی طرف سے عذاب آ جائے گا۔ بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے دورِ نبوت میں بادشاہ اپنی جگہ پر بادشاہ رہا۔ آپؑ اُس کی بادشاہی میں ایک بڑے عہدے پر کام بھی کرتے رہے اور دعوت و تبلیغ کا فریضہ بھی ادا کرتے رہے۔ گویا انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت عمومی نوعیت کی تھی کہ تم لوگ اللہ کے نیک بندے بنو‘ اللہ کا حق مانو‘ وغیرہ۔ لیکن جب کسی نبی کو کسی قوم کی طرف کوئی خاص مشن دے کر بھیجا گیا تو وہ اللہ کے ’’رسولؑ‘‘ اور اللہ کے نمائندے بن کر اُس قوم کی طرف گئے اور اسی حیثیت سے انہوں نے متعلقہ قوم سے اپنی اطاعت کا مطالبہ کیا۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰہِ ؕ﴾ (النساء: ۶۴) ’’ہم نے نہیں بھیجا کسی رسول کو مگر اس لیے کہ اُس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے‘‘۔ اس لحاظ سے رسول کی اطاعت دراصل اللہ ہی کی اطاعت ہے: ﴿مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ ۚ﴾ (النساء: ۸۰) ’’جس نے اطاعت کی رسول کی اُس نے اطاعت کی اللہ کی۔‘‘

آیت ۴ ﴿یَغۡفِرۡ لَکُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِکُمۡ﴾ ’’اللہ تمہارے کچھ گناہ معاف کر دے گا‘‘

یہاں پر حرف مِنۡ (تبعیضیہ) بہت معنی خیز ہے۔ یعنی سب کے سب گناہ معاف ہونے کی

ضمانت نہیں‘ البتہ کچھ گناہ ضرور معاف ہو جائیں گے۔ اس کی تاویل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق تو جسے چاہے گا اور جب چاہے گا معاف کر دے گا‘ لیکن حقوق العباد کے تنازعات کے حوالے سے وہ انصاف کے تقاضے پورے کرے گا۔ اس کے لیے روزِ محشر متعلقہ فریقوں کے درمیان باقاعدہ لین دین کا اہتمام کرایا جائے گا۔ مثلاً کسی شخص نے اگر کسی کا حق غصب کیا ہوگا‘ کسی کی عزت پر حملہ کیا ہوگا یا کسی بھی طریقے سے کسی پر ظلم کیا ہوگا تو ایسے ظالم کی نیکیوں کے ذریعے سے متعلقہ مظلوم کی تلافی کی جائے گی۔ اس لین دین میں اگر کسی ظالم کی نیکیاں کم پڑ جائیں گی تو حساب برابر کرنے کے لیے اس کے ظلم کا شکار ہونے والے مظلوموں کے گناہ اس کے کھاتے میں ڈال دیے جائیں گے۔

﴿وَيُؤَخِّرۡكُمۡ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ﴾ ’’اور تمہیں مہلت دے دے گا ایک وقتِ معیّن تک۔‘‘

یعنی اگر تم لوگ اللہ کو معبود مانتے ہوئے اُس کا تقویٰ اختیار کرو گے اور میرے احکام کی تعمیل کرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ کچھ مدت کے لیے تمہیں بحیثیت قوم دنیا میں زندہ رہنے کی مزید مہلت عطا فرما دے گا۔ لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ مہلت بھی ایک وقتِ معیّن تک ہی ہوگی۔ اس معاملے میں اللہ تعالیٰ کے قوانین بہت سخت اور اٹل ہیں۔

﴿اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝۴﴾ ’’اللہ کا مقرر کردہ وقت جب آ جائے گا تو اسے مؤخر نہیں کیا جا سکے گا۔ کاش کہ تمہیں معلوم ہوتا!‘‘

جب کوئی قوم اپنے رسول کی دعوت کو ٹھکرا دیتی ہے اور اسے غور و فکر کرنے کے لیے جو مہلت دی گئی ہو وہ ختم ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے مطابق اس قوم کو نیست و نابود کرنے کا قطعی فیصلہ کر لیتا ہے تو پھر کوئی طاقت اس فیصلے کو مؤخر نہیں کر سکتی۔

آئندہ آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کے اندازِ دعوت کا پورا نقشہ نظر آتا ہے کہ آپؑ نے اپنی قوم کو راہِ راست پر لانے کے لیے خود کو کس کس طرح سے ہلکان کیا۔ قوم کو دعوت و تبلیغ کرتے اور پیغامِ حق سناتے ہوئے نو صدیاں بیت گئیں لیکن قوم اس دعوتِ حق پر کان دھرنے پر آمادہ نہیں ہوئی۔ جب آپؑ کو ان کے ایمان لانے کی امید نہ رہی تو آپؑ نے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ عرض داشت پیش کی۔

آیت ۵ ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّىۡ دَعَوۡتُ قَوۡمِىۡ لَيۡلًا وَّنَهَارًا ۝۵﴾ ’’نوحؑ نے عرض کیا: پروردگار! مَیں نے تو اپنی اس قوم کو رات دن دعوت دی ہے۔‘‘

آیت ۶ ﴿فَلَمۡ يَزِدۡهُمۡ دُعَآءِىۡۤ اِلَّا فِرَارًا ۝۶﴾ ’’لیکن میری اس دعوت نے ان میں کچھ اضافہ نہیں کیا سوائے فرار کے۔‘‘

یعنی میری اس شب و روز کی دعوتی مساعی کے نتیجے میں ان کے گریز اور فرار ہی میں اضافہ ہوا۔ جتنا جتنا میں ان کو پکارتا گیا اتنے ہی زیادہ یہ دور بھاگتے گئے۔

آیت ۷ ﴿وَاِنِّىۡ كُلَّمَا دَعَوۡتُهُمۡ لِتَغۡفِرَ لَهُمۡ جَعَلُوۡۤا اَصَابِعَهُمۡ فِىۡۤ اٰذَانِهِمۡ﴾ ’’اور مَیں نے جب بھی انہیں پکارا تاکہ تُو ان کی مغفرت فرما دے تو انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں‘‘

﴿وَاسۡتَغۡشَوۡا ثِيَابَهُمۡ﴾ ’’اور اپنے کپڑے بھی اپنے اوپر لپیٹ لیے‘‘

﴿وَاَصَرُّوۡا وَاسۡتَكۡبَرُوا اسۡتِكۡبَارًا ۝۷﴾ ’’اور وہ ضد پر اَڑ گئے‘ اور انہوں نے استکبار کیا بہت بڑا استکبار۔‘‘

اَصَرَّ یُصِرُّ اِصۡرَارًا کے معنی اپنی روش پر اَڑ جانے کے ہیں۔ کفر کی روش پر اَڑ جانے اور جم جانے کے علاوہ ان کا رویہ اپنے رسولؑ کے ساتھ ازحد متکبرانہ تھا۔ وہ کہتے تھے کہ ہم کیسے آپ کو اپنا پیشوا تسلیم کر لیں جبکہ نچلے درجے کے رذیل قسم کے لوگ آپ کے متبعین ہیں! —— اردو میں لفظ ’’اصرار‘‘ اسی معنی میں مستعمل ہے۔

آیت ۸ ﴿ثُمَّ اِنِّىۡ دَعَوۡتُهُمۡ جِهَارًا ۝۸﴾ ’’پھر (اے پروردگار) میں نے انہیں بلند آواز سے بھی پکارا۔‘‘

آیت ۹ ﴿ثُمَّ اِنِّىۡۤ اَعۡلَنۡتُ لَهُمۡ وَاَسۡرَرۡتُ لَهُمۡ اِسۡرَارًا ۝۹﴾ ’’پھر مَیں نے انہیں اعلانیہ دعوت بھی دی اور خفیہ طور پر بھی سمجھایا۔‘‘

اَسَرَّ یُسِرُّ اِسۡرَارًا کے معنی ہیں: بھید چھپانا یا چپکے سے بیان کرنا۔ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو کھلم کھلا تبلیغ بھی کرتے اور لوگوں سے تنہائی میں انفرادی ملاقاتیں کر کے بھی ایک ایک کو سمجھاتے۔

آیت ۱۰ ﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ﴾ ’’پس میں نے ان سے کہا کہ تم اپنے رب سے استغفار کرو۔‘‘

﴿اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ﴿۱۰﴾﴾ ’’یقیناً وہ بہت بخشنے والا ہے۔‘‘

آیت ۱۱ ﴿يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ﴿۱۱﴾﴾ ’’وہ تم پر آسمان سے خوب بارشیں برسائے گا۔‘‘

یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے بن کر رہو گے تو وہ تمہاری دنیوی زندگی میں بھی تمہارے لیے آسانیاں پیدا کر دے گا اور تمہارے علاقے میں خوب بارشیں برسائے گا‘ جس سے تمہارے رزق میں اضافہ ہوگا۔ ان الفاظ سے یوں لگتا ہے جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت کے بعد کسی دور میں اس قوم پر خشک سالی اور قحط کا عذاب آیا تھا۔ جیسے قومِ فرعون پر قحط اور دوسرے عذاب بھیجے گئے تھے (الاعراف: رکوع ۱۶)۔ یا جیسے حضور ﷺ کی بعثت کے بعد مکہ میں بہت سخت قحط پڑا تھا (سورۃ الدخان: رکوع ۱)۔ ایسے چھوٹے چھوٹے عذاب دراصل ہر رسول کی بعثت کے بعد متعلقہ قوم کے لوگوں پر وقتاً فوقتاً اس لیے مسلط کیے جاتے تھے تا کہ وہ خوابِ غفلت سے جاگ جائیں اور اپنے رسول کی دعوت کو سنجیدگی سے سنیں۔

آیت ۱۲ ﴿وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ﴾ ’’اور وہ بڑھا دے گا تمہیں مال اور بیٹوں سے‘‘

﴿وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴿۱۲﴾﴾ ’’اور تمہیں باغات عطا کرے گا اور تمہارے لیے (چشمے اور) نہریں رواں کر دے گا۔‘‘

آیت ۱۳ ﴿مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿۱۳﴾﴾ ’’تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی عظمت کے امیدوار نہیں ہو؟‘‘

اس آیت کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت کو تسلیم کیوں نہیں کرتے؟ اور دوسرا یہ کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی عظمت وسطوت سے خوف کیوں نہیں آتا؟ فی الحال اللہ تعالیٰ تمہیں ڈھیل دے رہا ہے‘ لیکن اس کی ڈھیل کی بھی ایک حد ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے: ﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ﴿۱۲﴾﴾ (البروج) کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کو پکڑنے پر آتا ہے تو اُس کی گرفت بہت سخت ہوتی ہے۔ تم ان سب باتوں کا خیال کیوں نہیں کرتے ہو؟ آخر تم لوگ اُس کی نافرمانیاں کرتے

ہوئے اور اُس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہوئے اُس کے غصے اور اُس کی گرفت سے بے خوف کیوں ہو گئے ہو؟

آیت ۱۴ ﴿وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿۱۴﴾﴾ ’’اور اُس نے تمہیں پیدا کیا ہے درجہ بدرجہ۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے رحم مادر کے اندر تمہیں خلقت کے کئی مراحل سے گزار کر انسانی صورت میں ڈھالا ہے۔

آیت ۱۵ ﴿اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۵﴾﴾ ’’کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے کیسے پیدا کیا ہے سات آسمانوں کو تہ برتہ!‘‘

آیت ۱۶ ﴿وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾﴾ ’’اور ان کے اندر اُس نے چاند کو روشنی اور سورج کو (درخشاں) چراغ بنایا!‘‘

آیت ۱۷ ﴿وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿۱۷﴾﴾ ’’اور اللہ نے تمہیں اُگایا ہے زمین سے جیسے (سبزہ) اُگایا جاتا ہے۔‘‘

اُس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا ہے۔ نہ صرف تمہارے جسم کے تمام اجزاء زمین سے لیے گئے ہیں بلکہ اس جسم کی پرورش اور بقا کے لیے تمہیں خوراک بھی اسی زمین سے مل رہی ہے۔ نظریۂ ارتقاء (evolution theory) کے ماننے والے لوگ اس آیت کو اپنے حق میں دلیل کے طور پر لیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ زمین سے اُگانے کے مفہوم میں پہلے چھوٹے چھوٹے جانوروں کی تخلیق کے آغاز اور پھر رفتہ رفتہ اس مخلوق کے مختلف ارتقائی مراحل سے گزار کر انسانی نسل (Homo sapiens) تک پہنچنے کا اشارہ موجود ہے۔

آیت ۱۸ ﴿ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾﴾ ’’پھر وہ تمہیں لوٹا دے گا اسی میں اور پھر نکالے گا تمہیں جیسے نکالا جاتا ہے۔‘‘

آیت ۱۹ ﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿۱۹﴾﴾ ’’اور اللہ نے تمہارے لیے زمین کو بچھا دیا ہے بچھونے کی طرح۔‘‘

آیت ۲۰ ﴿لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾﴾ ’’تا کہ تم چلو پھرو اس کے کشادہ راستوں پر۔‘‘

آیات ۲۱ تا ۲۸

قَالَ نُوۡحٌ رَّبِّ اِنَّہُمۡ عَصَوۡنِیۡ وَ اتَّبَعُوۡا مَنۡ لَّمۡ یَزِدۡہُ مَالُہٗ وَ
وَلَدُہٗۤ اِلَّا خَسَارًا ﴿ۚ۲۱﴾ وَ مَکَرُوۡا مَکۡرًا کُبَّارًا ﴿ۚ۲۲﴾ وَ قَالُوۡا لَا
تَذَرُنَّ اٰلِہَتَکُمۡ وَ لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا ۬ۙ وَّ لَا یَغُوۡثَ
وَ یَعُوۡقَ وَ نَسۡرًا ﴿ۚ۲۳﴾ وَ قَدۡ اَضَلُّوۡا کَثِیۡرًا ۬ۚ وَ لَا تَزِدِ الظّٰلِمِیۡنَ اِلَّا
ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾ مِمَّا خَطِیۡٓئٰتِہِمۡ اُغۡرِقُوۡا فَاُدۡخِلُوۡا نَارًا ۬ۙ فَلَمۡ یَجِدُوۡا لَہُمۡ
مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَنۡصَارًا ﴿۲۵﴾ وَ قَالَ نُوۡحٌ رَّبِّ لَا تَذَرۡ عَلَی
الۡاَرۡضِ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ دَیَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّکَ اِنۡ تَذَرۡہُمۡ یُضِلُّوۡا
عِبَادَکَ وَ لَا یَلِدُوۡۤا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا ﴿۲۷﴾ رَبِّ اغۡفِرۡ لِیۡ وَ لِوَالِدَیَّ
وَ لِمَنۡ دَخَلَ بَیۡتِیَ مُؤۡمِنًا وَّ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ ؕ وَ لَا تَزِدِ
الظّٰلِمِیۡنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾

اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی عرض داشت اور رودادِ الم پیش کرتے ہوئے آخر کار حضرت نوح علیہ السلام یوں فریاد کناں ہوئے:

آیت ۲۱ ﴿قَالَ نُوۡحٌ رَّبِّ اِنَّہُمۡ عَصَوۡنِیۡ﴾ ''نوحؑ نے کہا: پروردگار! انہوں نے میری نافرمانی کی''

﴿وَاتَّبَعُوۡا مَنۡ لَّمۡ یَزِدۡہُ مَالُہٗ وَوَلَدُہٗۤ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾﴾ ''اور انہوں نے ان لوگوں کی پیروی کی جن کے مال اور اولاد نے ان کے لیے سوائے خسارے کے اور کچھ نہیں بڑھایا''

پروردگار! تو نے مجھے ان کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا اور ان پر کسی پس و پیش کے بغیر میری اطاعت لازم تھی' لیکن انہوں نے تو میری جی بھر کر نافرمانی کی اور اپنے ان سرداروں اور وڈیروں کی پیروی کرتے رہے جن کے مال و اولاد کی کثرت نے انہیں غرور و تکبر میں مبتلا کر رکھا ہے۔ یہ لوگ میری کوئی بات سننے کو تیار ہی نہیں۔

آیت ۲۲ ﴿وَمَکَرُوۡا مَکۡرًا کُبَّارًا ﴿۲۲﴾﴾ ''اور ان لوگوں نے ایک چال بھی چلی بہت بڑی چال۔''

یہ قومِ نوحؑ کے بڑے بڑے سرداروں کی اس چال کا ذکر ہے جس کے تحت انہوں نے مذہبی اور نسلی عصبیت کا سہارا لے کر عوام کو حضرت نوح علیہ السلام کے خلاف بھڑکایا تھا۔ انہوں نے اپنے اَسلاف میں سے بڑے بڑے اولیاء اللہ کے بُت بنا کر رکھے ہوئے تھے اور انہی بُتوں کی وہ لوگ پوجا کرتے تھے۔ جب حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں ان بُتوں کو چھوڑنے اور ایک اللہ کو معبود ماننے کی دعوت دی تو قوم کے سرداروں کو آپؑ کے خلاف یہ دلیل مل گئی کہ آپؑ ان کے بزرگوں اور اولیاء اللہ کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ چنانچہ اس ''مضبوط اور مؤثر'' دلیل کو بنیاد بنا کر انہوں نے اپنے عوام کو اس نعرے پر متحد کر لیا کہ اب جو ہو سو ہو' ہم اپنے ان معبودوں کو نہیں چھوڑیں گے۔

آیت ۲۳ ﴿وَقَالُوۡا لَا تَذَرُنَّ اٰلِہَتَکُمۡ﴾ ''اور انہوں نے کہا کہ تم اپنے ان معبودوں کو ہرگز چھوڑ نہ بیٹھنا۔''

اس سے ملتا جلتا نعرہ سردارانِ قریش نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اپنے عوام کو سکھایا تھا:

﴿وَانۡطَلَقَ الۡمَلَاُ مِنۡہُمۡ اَنِ امۡشُوۡا وَاصۡبِرُوۡا عَلٰۤی اٰلِہَتِکُمۡ ۚۖ اِنَّ ہٰذَا لَشَیۡءٌ یُّرَادُ ﴿۶﴾﴾ (صٓ) ''اور چل پڑے ان کے سردار (یہ کہتے ہوئے) کہ چلو جاؤ اور جمے رہو اپنے معبودوں پر' یقیناً اس بات میں تو کوئی غرض پوشیدہ ہے۔''

﴿وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۬ۙ وَّلَا یَغُوۡثَ وَیَعُوۡقَ وَنَسۡرًا ﴿۲۳﴾﴾ ''ہرگز مت چھوڑنا وَدّ کو' سواع کو' یغوث کو' یعوق کو اور نسر کو۔''

یہ سب اس قوم کے بُتوں کے نام ہیں اور ان میں سے بیشتر اولیاء اللہ کی شخصیات کے بُت تھے۔ یَغُوۡث کے تلفظ میں ''غیاث'' یا ''غوث'' کی مشابہت سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اولیاء اللہ میں سے کسی ایسی شخصیت کا بُت تھا جسے وہ لوگ اپنا فریاد رس سمجھتے تھے۔ دراصل حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیانی زمانے میں بہت سے انبیاء کرامؑ گزرے ہیں۔ حضرت شیثؑ اور حضرت ادریس علیہ السلام اسی دور کے نبی ہیں۔ ظاہر ہے ان پیغمبروں کے پیروکاروں میں بہت سے نیک لوگ اور اولیاء اللہ بھی ہوں گے۔ چنانچہ بعد کی نسلوں کے لوگوں نے عقیدت و احترام کے جذبے کے تحت ان اولیاء اللہ کی مورتیاں بنا لیں۔ شروع شروع میں وہ ان مورتیوں کو احتراماً سلام

کرتے ہوں گے‘ لیکن بعد میں رفتہ رفتہ ان کی باقاعدہ پوجا شروع کر دی گئی۔ اسی طرح آج ہمارے ہاں بھی بعض لوگ اپنے گھروں میں اولیاء اللہ اور پیروں کی تصاویر بڑے اہتمام کے ساتھ آویزاں کرتے ہیں‘ بلکہ ان تصویروں کے گلوں میں باقاعدہ ہار بھی ڈالے جاتے ہیں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے ایک صاحب کے گھر میں ایک تصویر آویزاں دیکھی جس میں خواجہ معین الدین اجمیری‘ حضرت بختیار کاکی اور بابا فرید شکر گنج ؒ تینوں بیک وقت جمع تھے اور تصویر پر ہار ڈالے گئے تھے۔ ایسی روایات جب نسل در نسل آگے بڑھتی ہیں تو تدریجاً بُت پرستی کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ ظاہر ہے عقائد و نظریات میں بگاڑ ایک دم تو پیدا نہیں ہوتا بلکہ ملتان کی زبان میں اس عمل کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ ”بندہ تھیند اتھیند اتھی ویندا اے“۔ بہرحال بعض اوقات انسان نظریاتی طور پر رفتہ رفتہ اس قدر بدل جاتا ہے کہ اسے خود بھی پتا نہیں چلتا کہ وہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہے۔

آیت ۲۴ ﴿وَقَدۡ اَضَلُّوۡا کَثِیۡرًا ۚ۬ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیۡنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾﴾ ”اور انہوں نے تو بہتوں کو بہکا دیا ہے۔ اور (اے اللہ!) اب تو ان ظالموں کے لیے سوائے گمراہی کے اور کسی چیز میں اضافہ نہ فرما!“

حضرت نوح علیہ السلام کے ان الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس مرحلے پر آپؑ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ اب آپؑ کی حمیتِ دینی کو اس ناہنجار قوم کا ایمان لانا بھی گوارا نہیں‘ بلکہ اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کناں ہیں کہ پروردگار! اب تُو ان گمراہوں کی گمراہی میں ہی اضافہ فرما —— بالکل ایسی ہی کیفیت کی جھلک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا میں بھی نظر آتی ہے:

﴿وَقَالَ مُوۡسٰی رَبَّنَاۤ اِنَّکَ اٰتَیۡتَ فِرۡعَوۡنَ وَمَلَاَہٗ زِیۡنَۃً وَّاَمۡوَالًا فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۙ رَبَّنَا لِیُضِلُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِکَ ۚ رَبَّنَا اطۡمِسۡ عَلٰۤی اَمۡوَالِہِمۡ وَاشۡدُدۡ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ فَلَا یُؤۡمِنُوۡا حَتّٰی یَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِیۡمَ ﴿۸۸﴾﴾ (یونس)

”اور موسیٰؑ نے عرض کیا: اے ہمارے پروردگار! تُو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو سامانِ زیب و زینت اور اموال عطا کر دیے ہیں دنیا کی زندگی میں۔ پروردگار! اس لیے کہ وہ لوگوں کو گمراہ کریں تیرے راستے سے! اے ہمارے رب! اب ان کے اموال کو برباد کر دے اور ان کے دلوں میں سختی پیدا کر دے کہ یہ ایمان نہ لائیں جب تک کہ یہ کھلم

کھلا دیکھ نہ لیں عذابِ الیم کو۔“

آیت ۲۵ ﴿مِمَّا خَطِیۡٓـٰٔتِہِمۡ اُغۡرِقُوۡا فَاُدۡخِلُوۡا نَارًا ۬ۙ﴾ ”اپنی خطاؤں کی وجہ سے ہی وہ غرق کیے گئے اور داخل کر دیے گئے آگ میں“

﴿فَلَمۡ یَجِدُوۡا لَہُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَنۡصَارًا ﴿۲۵﴾﴾ ”تو نہ پایا انہوں نے اپنے لیے اللہ کے مقابل کوئی مددگار۔“

حضرت نوح علیہ السلام کی اس فریاد کا سخت ترین حصّہ آگے آ رہا ہے:

آیت ۲۶ ﴿وَقَالَ نُوۡحٌ رَّبِّ لَا تَذَرۡ عَلَی الۡاَرۡضِ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ دَیَّارًا ﴿۲۶﴾﴾ ”اور نُوحؑ نے کہا: اے میرے پروردگار! اب تُو اس زمین پر کافروں کا بستا ہوا ایک گھر بھی مت چھوڑ۔“

آیت ۲۷ ﴿اِنَّکَ اِنۡ تَذَرۡہُمۡ یُضِلُّوۡا عِبَادَکَ وَلَا یَلِدُوۡۤا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا ﴿۲۷﴾﴾ ”اگر تُو نے ان کو چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی نسلوں میں بھی اب فاجر اور کافر لوگوں کے سوا اور کوئی پیدا نہیں ہو گا۔“

ان لوگوں کی فطرتیں مسخ ہو چکی ہیں جس کی وجہ سے ان کی آئندہ نسلوں سے بھی کسی خیر کی توقع نہیں ہے‘ اس لیے ان کا نیست و نابود ہو جانا ہی بہتر ہے۔ انسانی تاریخ میں اللہ کے کسی بندے نے شاید ہی ایسی سخت دعا مانگی ہو۔ لیکن حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو برس تک جس طرح صبر و استقامت کے ساتھ اپنی قوم کی زیادتیوں کو برداشت کیا‘ اس پس منظر میں آپؑ کا یہ غصہ حق بجانب تھا۔

آیت ۲۸ ﴿رَبِّ اغۡفِرۡ لِیۡ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنۡ دَخَلَ بَیۡتِیَ مُؤۡمِنًا﴾ ”پروردگار! مغفرت فرما دے میری اور میرے والدین کی اور اُس کی جو کوئی بھی میرے گھر میں داخل ہو جائے ایمان کے ساتھ“

﴿وَّلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ ؕ﴾ ”اور تمام مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کی بھی (مغفرت فرما دے)“

یہ دعا اس لحاظ سے خصوصی اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں اگلے اور پچھلے زمانوں کے تمام اہلِ ایمان شامل ہو گئے ہیں۔ (باقی صفحہ 68 پر)

قرآنِ حکیم کو سیکھنے سکھانے کی فضیلت

احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

الحمد للّٰہ وکفٰی وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی ----- اما بعد:

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔

﴿اَلرَّحۡمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ﴿۲﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَہُ الۡبَیَانَ ﴿۴﴾﴾

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ، وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ ، وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ، یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ—اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِیْ رُشْدِی، وَاَعِذْنِیْ مِنْ شُرُوْرِ نَفْسِیْ— اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ—اَللّٰهُمَّ آنِسْ وَحْشَتِیْ فِیْ قَبْرِیْ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ بِالْقُرْآنِ الْعَظِیْمِ، وَاجْعَلْهُ لِیْ اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّهُدًی وَّرَحْمَةً، اَللّٰهُمَّ ذَکِّرْنِیْ مِنْهُ مَا نَسِیْتُ، وَعَلِّمْنِیْ مِنْهُ مَا جَهِلْتُ، وَارْزُقْنِیْ تِلَاوَتَهٗ آنَاءَ اللَّیْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ، وَاجْعَلْهُ لِیْ حُجَّةً یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ!

سورۃ الرحمٰن کی پہلی چار آیات میں چوٹی کی چار چیزوں کا ذکر ہے۔ ’’الرحمٰن‘‘ اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ایک نام ہے‘ لیکن سب سے پیارا اور سب سے اہم نام ہے‘ اس اعتبار سے کہ ہمیں سب سے زیادہ ضرورت اللہ کی رحمت کی ہے۔ اللہ خالق ہے‘ اُس نے اپنی مخلوق کو تخلیق کیا ہے۔ ہماری کوئی غرض تو نہ تھی اور نہ ہی ہماری کوئی درخواست تھی۔ وہ ہمارا امتحان لینا چاہتا ہے تو وہ ہمارا رب ہے۔ جب تک ہم اس دنیا میں ہیں وہ ہماری ضروریات ہمیں بہم پہنچاتا ہے۔ ہمیں اصل ضرورت اس کی رحمت کی ہے‘ اس لیے

کہ جو ابدی زندگی ہے اس میں خیر کا‘ بھلائی کا‘ ﴿فَرَوۡحٌ وَّ رَیۡحَانٌ﴾ کا دار و مدار اللہ تعالیٰ کی رحمت پر ہے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ’’کوئی انسان محض اپنے عمل کی بنیاد پر جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا جب تک کہ رحمتِ خداوندی دستگیری نہ کرے۔ اس پر کسی صحابیؓ نے بڑی ہمت سے کام لیا اور ہمیں ان کا ممنون ہونا چاہیے کہ اگر وہ یہ سوال نہ کرتے تو ہمیں جواب کیسے ملتا۔ عرض کیا: حضور کیا آپ بھی نہیں؟ فرمایا: ((وَلَا اَنَا‘ اِلَّا اَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰهُ بِفَضْلٍ وَرَحْمَةٍ)) (متفق علیه) ’’ہاں میں بھی نہیں! جب تک اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور رحمت سے مجھے ڈھانپ نہ لے‘‘۔ رحمت سے اللہ تعالیٰ کے دو نام بنے ہیں: رحمٰن اور رحیم۔ ’’رحمٰن‘‘ کی شان یہ ہے کہ اُس کی رحمت میں جوش ہے جیسے ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہو‘ جس میں پہاڑ جیسی لہریں اُٹھ رہی ہوں۔ تو اَسماءِ خداوندی میں سب سے چوٹی کا نام ’’الرحمٰن‘‘ ہے۔

﴿عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ﴿۲﴾﴾ ’’جس نے قرآن کی تعلیم دی۔‘‘ سوال یہ ہے کہ باقی چیزوں کی تعلیم کس نے دی؟ تمام علوم کا منبع و سرچشمہ تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اللہ نے ہی آدمؑ کو علم الاسماء عطا فرمایا: ﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّهَا﴾ (البقرۃ:۳۱) جس کا ظہور ’’کسبی علم‘‘ (acquired knowledge) کی صورت میں ہوا ہے۔ لیکن دراصل تمام علوم میں چوٹی کا علم ’’قرآن کا علم‘‘ ہے۔

﴿خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۙ﴿۳﴾﴾ ’’جس نے انسان کو پیدا کیا‘‘۔ کیا صرف انسان کو پیدا کیا؟ ملائکہ کو بھی تو پیدا کیا ہے‘ بظاہر تو وہ سب سے اُونچی مخلوق ہیں جو نور سے تخلیق کیے گئے ہیں۔ ان سے کسی خطا یا غلطی کا تصوّر بھی منسوب نہیں ہے۔ کیا جنّات کو نہیں پیدا کیا؟ پہاڑوں‘ آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا‘ یہ جو کہکشائیں ہیں ان کو کس نے پیدا کیا؟ لیکن جملہ مخلوقات میں چوٹی کی مخلوق ’’انسان‘‘ ہے۔ اسی لیے اُسے مسجودِ ملائک بنا دیا گیا۔ اور قرآن میں تین مرتبہ اس کا ذکر بھی کیا تا کہ یہ شبہ نہ رہ جائے کہ جبرائیلؑ نے تو سجدہ نہیں کیا ہو گا‘ وہ تو بہت بڑے فرشتے ہیں۔ فرمایا: ﴿فَسَجَدَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّهُمۡ اَجۡمَعُوۡنَ ﴿ۙ۳۰﴾﴾ (الحجر) ’’پس تمام کے تمام فرشتوں نے سجدہ کیا‘‘۔ تو سب سے چوٹی کی مخلوق ’’انسان‘‘ ہے۔

﴿عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ④﴾ ''اس کو بیان کی صلاحیت عطا کی''۔ تو کیا اور صلاحیتیں نہیں دیں؟ اللہ تعالیٰ قرآن میں بار بار جو احسان ذکر کرتا ہے وہ تو سمع و بصر ہے: ﴿اِنَّ السَّمۡعَ وَالۡبَصَرَ وَالۡفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنۡهُ مَسۡـُٔوۡلًا ۳۶﴾ (الاسراء) تو کیا یہ صلاحیتیں نہیں دیں؟ لیکن تمام صلاحیتوں میں چوٹی کی صلاحیت ''بیان'' کی صلاحیت ہے۔ ورنہ حیوان بھی دیکھتے ہیں اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جنہیں دیکھنے کے لیے روشنی کی ضرورت ہی نہیں ہے' اندھیرے میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔ ان کی بینائی ہم سے بہتر ہے۔ سماعت کے حوالے سے بھی بہت سے حیوانات ہم سے بہت آگے ہیں۔ اسی طرح باقی جملہ صلاحیتوں کا معاملہ ہے۔ اسی لیے اہلِ فلسفہ نے انسان کے لیے جو لفظ استعمال کیا وہ ''حیوانِ ناطق'' ہے۔ یعنی انسان گفتگو کرنے والا' نطق سے کام لینے والا اور بیان کی صلاحیت رکھنے والا ہے۔ لیکن یہ جو ''بیان'' کی صلاحیت ہے اس میں ایک تو روزمرہ کی بول چال ہے کہ کھانا دے دو' پانی دے دو' یہ کر دو' وہ کر دو' وغیرہ۔ اس سطح پر تو حیوانات میں بھی گفت و شنید (communication) ہوتی ہے۔ ان میں بھی باقاعدہ ایک نظام ہوتا ہے اور ان کے جو گروہ ہوتے ہیں وہ باقاعدہ ایک نظم کے تحت زندگی گزارتے ہیں۔ لیکن اس سے اوپر ایک communication وہ ہوتی ہے کہ کسی کے کلام کا فہم حاصل کیا جائے اور پھر اپنی بات کو بیان کیا جائے۔ اظہار مافی الضمیر کی یہ صلاحیت انسان کو دی گئی صلاحیتوں میں چوٹی کی صلاحیت ہے۔

انسانی دماغ کی ساخت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام حیوانات کے مقابلے میں انسانی دماغ اس اعتبار سے مختلف ہے کہ اس میں سب سے بڑا حصّہ ''مرکزِ تکلّم'' (speech centre) ہے' جو تمام حیوانات کی نسبت سب سے زیادہ ترقی یافتہ (developed) ہے۔ اس کے مزید دو حصے ہیں: sensory اور motor۔ گویا اظہارِ مافی الضمیر کے دو پہلو ہیں: (۱) دوسرے کے کلام کو سمجھنا' اور (۲) اپنے مافی الضمیر کو ظاہر کرنا۔ آپ نے ایک کلام سنا' اس کو تعبیر (interpret) کیا' پھر اپنے دل میں موجود احساس کو آپ نے بیان کیا۔ اس کے لیے لفظ ''تفسیر'' بلکہ ''تاویل'' آتا ہے۔ دوسروں

کے کلام کا فہم اور اس کی تاویل' یہ اس صلاحیت کا ایک حصّہ ہے۔ اور پھر اپنا کلام اور جو کچھ ذہن میں آیا ہے اس کو صحیح انداز میں مرتّب کر کے بیان کرنا' یہ دونوں صلاحیتیں انسان میں چوٹی (top) پر ہیں۔

سورۃ الرحمٰن کی ابتدائی چار آیات میں تین جملے موجود ہیں: ﴿اَلرَّحۡمٰنُ ① عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ②﴾ ایک جملہ ہے' ﴿خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ③﴾ دوسرا جملہ ہے اور ﴿عَلَّمَهُ الۡبَيَانَ ④﴾ تیسرا جملہ ہے۔ آپ نے ریاضی (Math) میں نسبت و تناسب (ratio proportion) کا قاعدہ پڑھا ہے کہ تین اقدار (values) دی گئی ہیں' چوتھی تلاش کرو۔ اب یہ تین values آ گئیں: ﴿اَلرَّحۡمٰنُ ① عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ② خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ③ عَلَّمَهُ الۡبَيَانَ ④﴾ ''اُس رحمٰن نے تعلیم دی ہے قرآن کی۔ اُس نے انسان کو پیدا کیا۔ اُسے بیان کی تعلیم عطا فرمائی۔''

پہلی حدیث

چوتھی value جو درحقیقت اس کلام کا اصل ماحصل اور اس کی تاویل ہے' وہ یہ حدیثِ مبارکہ ہے۔ حضرت عثمان بن عفان ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((خَيۡرُكُمۡ مَنۡ تَعَلَّمَ الۡقُرۡآنَ وَعَلَّمَهُ)) (صحیح البخاری)

اب دیکھیں وہ جو چار چیزیں ہمارے سامنے آئیں: (۱) اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سب سے پیارا نام ''الرحمٰن'' (۲) چوٹی کا علم قرآن (۳) اللہ تعالیٰ کی تخلیقات میں چوٹی کی تخلیق انسان (۴) انسان کو دی گئی صلاحیتوں میں چوٹی کی صلاحیت بیان۔ اس چوٹی کی صلاحیت ''بیان'' کا استعمال چوٹی کے علم کے لیے ہونا چاہیے' یہ اس کا منطقی تقاضا ہے۔ اس حدیث کی تفہیم میں ایک نکتہ عربی گرامر کے اعتبار سے ہے کہ عربی زبان میں adjectives (صفات) کے لیے تین درجے نہیں ہیں۔ جیسے انگلش میں ہیں: good, better, best فارسی میں ہے: بہ' بہتر' بہترین۔ عربی میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر خَیْر کے آگے ''مِنْ'' لگ جائے تو وہ comparative ہو جائے گا۔ ابلیس نے کہا تھا:

﴿اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ﴾ (الاعراف:۱۲) ’’مَیں اس (آدم) سے بہتر ہوں‘‘۔لیکن اگر خَیْر کا لفظ براہِ راست مضاف کے طور پر جوڑ دیا جائے تو یہ پھر superlative degree بنے گی کہ وہ لوگ بہترین ہیں۔اب اس بات کو اچھی طرح گہرائی میں اُتر کر سمجھ لیا جائے کہ حضور اکرم ﷺ فرما رہے ہیں: ((خَیْرُکُمْ)) ’’تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں‘‘ ((مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ)) ’’جنہوں نے قرآن سیکھا اور سکھایا‘‘۔سمجھا اور سمجھایا‘ پڑھا اور پڑھایا‘ اس کا علم حاصل کیا اور اسے بیان کیا۔

دوسری حدیث

یہ بخاری شریف کی حدیث ہے اور عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ سے مروی ہے۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَ لَوْ آیَةً))

’’پہنچاؤ میری جانب سے خواہ ایک ہی آیت ہو۔‘‘

بعض حضرات کے نزدیک اس سے مراد ایک آیت ہے‘ چاہے اس سے کلام مفید حاصل نہ ہو‘ یعنی جملہ مکمل نہ ہو‘ جیسے ﴿اَلرَّحْمٰنُ ۱﴾ یہ آیت تو ہے لیکن بات سمجھ نہیں آرہی ہے کہ ﴿اَلرَّحْمٰنُ ۱﴾ سے کیا کہنا مقصود ہے‘ اس کے بارے میں کیا اطلاع دی جارہی ہے! اسی طرح ﴿وَالْعَصْرِ ۱﴾ ’’قسم ہے زمانے کی‘‘۔اب یہ قسم کس چیز پر کھائی جارہی ہے‘ یہ معلوم نہ ہو تو یہ کلام مفید نہیں ہوگا۔ہاں ﴿وَالْعَصْرِ ۱ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۲﴾ اب یہ کلام مفید ہو گیا۔چنانچہ بعض حضرات کے نزدیک آیَةً سے مراد ’’آیَةً وَّاحِدَةً‘‘ ہے چاہے کوئی جملہ نہ بھی بنتا ہو‘ جبکہ اکثر کے نزدیک آیَةً سے مراد جملہ مفیدہ ہے کہ ایک آیت یا تو اپنی جگہ ایک مکمل جملہ ہو‘ جیسے ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۲﴾ یا دو یا تین آیتوں سے مل کر ایک جملہ بنتا ہو‘ جیسے: ﴿اَلرَّحْمٰنُ ۱ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۲﴾ ’’رحمٰن نے قرآن سکھایا‘‘۔ لیکن بہرحال اس حدیث میں حضور ﷺ نے جو آیَةً کا لفظ استعمال فرمایا اس میں تاکید کا انداز ہے۔یہ نہیں کہا جارہا کہ بس ایک ہی آیت سیکھ لو اور اس کے مبلّغ بن جاؤ۔ ’’خواہ ایک ہی آیت ہو‘‘ یہ اسلوب تاکید کے لیے ہے۔مثلاً ایک سورة ایسی ہو سکتی ہے

جیسے سورۃ العصر۔وہ اتنی جامع ہے کہ اس کے بارے میں امام شافعی ؒ کا قول ہے: لَوْ لَمْ يُنَزَّلْ مِنَ الْقُرْآنِ سِوَاهَا لَكَفَتِ النَّاسَ ’’قرآن میں اگر اس (ایک سورت) کے سوا کچھ بھی نازل نہ ہوتا تو یہ لوگوں (کی ہدایت) کے لیے کافی ہو جاتی‘‘۔اور لَوْ تَدَبَّرَ النَّاسُ هٰذِهِ السُّوْرَةَ لَوَسِعَتْهُمْ ’’اگر لوگ اس سورت پر ہی تدبر کر لیں تو یہ ان کو کافی ہو جائے۔‘‘ لہٰذا انسان اسے سمجھ لے‘ اس کا مبلغ بن جائے اور اسے بیان کرنے کا بیڑا اُٹھالے تو بات سمجھ آتی ہے۔

دوسرا لفظ جو اس میں بہت اہم ہے وہ ’’عَنْ‘‘ کا لفظ ہے: ’’عَنِّیْ‘‘ میری جانب سے (on my behalf)۔حضور ﷺ کی بعثت تمام انسانوں کے لیے ہے‘ آپ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں سوا لاکھ کے مجمع سے گواہی لی ((اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟)) اور جواب میں پورے مجمع نے کہا: ’’اِنَّا نَشْهَدُ اَنَّکَ قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَاَدَّيْتَ الْاَمَانَةَ وَنَصَحْتَ الْاُمَّةَ وَكَشَفْتَ الْغُمَّةَ یعنی اے نبی ﷺ ہم گواہ ہیں کہ آپؐ نے حقِ رسالت ادا کر دیا‘ حقِ تبلیغ ادا کر دیا‘ حقِ امانت ادا کر دیا‘ اُمّت کی نصح و خیر خواہی کا حق ادا کر دیا‘ اور آپؐ نے گمراہی کے پردوں کو چاک کر دیا۔تین دفعہ یہ سوال و جواب ہوا۔اس کے بعد آپ ﷺ نے انگلی اٹھائی اور آسمان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ((اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ ! اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ ! اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ !)) کہ اے اللہ! تو بھی گواہ رہ کہ مَیں نے پہنچا دیا۔اب آخری جملہ فرمایا: ((فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ)) (متفق علیہ) کہ اب لازم ہے ان پر جو یہاں ہیں کہ پہنچائیں ان کو جو یہاں نہیں ہیں۔اور ’’جو یہاں نہیں ہیں‘‘ یہ بہت بلیغ الفاظ ہیں‘ یعنی اُس وقت جو لوگ موجود نہیں تھے۔ان میں پوری دنیا میں قیامت تک جتنے بھی لوگ آئیں گے‘ سب شامل ہیں‘ چاہے وہ چین میں آباد ہوں‘ یا روس اور امریکہ میں۔چاہے وہ کہیں بھی ہوں‘ تمہارے ذِمہ ہے اب ان تک پہنچانا۔ان میں قیامت تک آنے والے انسان بھی شامل ہو گئے‘ کیونکہ آپ ﷺ کی رسالت قیامت تک جاری رہنے والی ہے اور پوری نوع انسانی کے لیے آپؐ ہی رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔تو ((بَلِّغُوْا عَنِّیْ)) (on my behalf) میری جانب سے پہنچاؤ! یعنی میرا کوئی

اُمتی اگر یہ کام کر رہا ہے تو گویا میرے فرضِ منصبی کی ادائیگی میں میری مدد کر رہا ہے۔

قرآن میں یہ جو الفاظ آئے ہیں ان میں اللہ اور رسول کی نصرت کی دعوت دی گئی ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُوۡنُوۡۤا اَنۡصَارَ اللّٰهِ کَمَا قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ لِلۡحَوَارِیّٖنَ مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰهِ ؕ﴾ (الصف:۱۴)

''اے اہلِ ایمان! تم اللہ کے مددگار بن جاؤ جیسے کہا تھا عیسیٰ ابن مریم نے اپنے حواریوں سے کہ کون ہے میرا مددگار اللہ کی طرف؟''

اور:

﴿فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِهٖ وَعَزَّرُوۡهُ وَنَصَرُوۡهُ ......﴾ (الاعراف:۱۵۷)

''تو جو لوگ ان (نبی آخر الزماں ﷺ) پر ایمان لائیں گے اور ان کی تعظیم کریں گے اور ان کی مدد کریں گے .....''

آپ ﷺ کا مشن ہے تمام انسانوں تک قرآن کا پیغام پہنچا دینا' جو اس میں حصّہ لے رہا ہے وہ گویا آپ ﷺ کا معاون اور مددگار ہے' آپ ﷺ کا ساتھی اور رفیق ہے۔

تیسری حدیث

یہ حدیث مسلم شریف کی ہے اور حضرت ابوہریرہ ؓ اس کے راوی ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ بِهِ عِلْماً سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ طَرِيقًا اِلَى الْجَنَّةِ))

''جس شخص نے بھی کوئی سفر اختیار کیا تاکہ علم حاصل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے طفیل اس کے لیے جنّت کا راستہ آسان کر دیتے ہیں۔''

آپ کو معلوم ہے پچھلے زمانے میں کوئی کالج اور یونیورسٹی تو تھی نہیں۔ معلوم ہوا کہ فلاں جگہ بصرہ شہر کے کوئی بہت بڑے قرآن کے عالم ہیں تو ایک شخص سینکڑوں میل کا سفر طے کر کے وہاں جا رہا ہے۔ یا معلوم ہوا کہ دمشق میں کوئی صحابیؓ ہیں جو روایت بیان کرتے ہیں تو اس کو براہِ راست سننے کے لیے لمبا سفر کیا اور وہاں گئے۔ ہم اپنے بزرگوں کے حالات میں یہی پڑھتے ہیں کہ پہلے وہاں گئے' وہاں سے علم حاصل کیا' پھر وہاں سے

آگے گئے' وہاں علم حاصل کیا' پھر وہاں سے مزید آگے سفر کیا۔ اس لیے کہ center of excellence مختلف جگہوں پر تھے' کہیں پر کوئی مفسر بیٹھا ہوا ہے' کہیں پر کوئی محدث' کہیں پر کوئی فلسفی' کوئی علم الکلام کا ماہر اور کہیں پر کوئی علم الرّجال کا ماہر بیٹھا ہوا ہے۔ تو لوگ مختلف جگہوں سے جا کر تحصیلِ علم کرتے تھے۔

اوپر جو آیاتِ مبارکہ اور احادیث ہم پڑھ چکے ہیں اس کے نتیجے میں علم کا مفہوم واضح ہو جانا چاہیے کہ علم سے مراد 'قرآن کا علم' ہے۔ مزید یہ کہ درج ذیل حدیث سے بھی یہ بات واضح ہو جائے گی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے بہت عمدہ نقشہ کھینچا ہے:

((مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللّٰهِ يَتْلُونَ كِتَابَ اللّٰهِ وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ اِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ)) (رواہ مسلم)

''نہیں جمع ہوتے کچھ لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں اللہ کی کتاب کی تلاوت کے لیے اور اس کو باہم ایک دوسرے سے سمجھنے اور سمجھانے کے لیے مگر یہ کہ ان پر سکینت نازل ہوتی ہے اور رحمت اُن کو ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے اُن کے گرد گھیرا ڈال لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اُن فرشتوں کے سامنے کرتا ہے جو اُس کے پاس ہیں۔''

ربّ العالمین' ملائکہ مقربین کو فخر کے ساتھ کہتا ہے کہ دیکھو میرے بندوں کو! تم نے کہا تھا نا کہ جس انسان کو تُو پیدا کر رہا ہے یہ زمین میں فساد مچائے گا۔ ٹھیک ہے' تمہاری یہ بات بھی غلط نہیں ہے' لیکن دیکھو میرے یہ بندے بھی تو ہیں نا انہی میں سے۔ انہیں کوئی اور غرض تو نہیں ہے' ان کا کوئی اور مطلب اور مقصود نہیں ہے' کسی اور مفادِ دنیا کے لیے جمع نہیں ہوئے۔ پھر ''اللہ کے گھروں میں سے کسی ایک گھر میں'' سے مراد اوّلاً تو مساجد ہیں' لیکن علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اس سے مراد کوئی بھی جگہ ہو سکتی ہے اس لیے کہ سب گھر اللہ کے ہیں۔ ((يَتْلُونَ كِتَابَ اللّٰهِ)) وہاں جمع ہو کر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔

((وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ)) ''اور اسے ایک دوسرے کو سکھاتے ہیں۔'' اب اس میں ذرا فرق ہے۔ ہمارے ہاں جو درس ہوتا ہے اس کے اندر یک طرفہ معاملہ چل رہا ہوتا

ہے‘ مدرس بیان کر رہا ہوتا ہے اور سامع سن رہے ہوتے ہیں۔ ایک ہوتا ہے مذاکرہ جسے study circle کا نام دیا جاتا ہے۔ مَیں جب ۱۹۶۵ء میں لاہور منتقل ہوا تو پہلے مَیں نے جو حلقے قائم کیے ان کا عنوان ’’حلقہ ہائے مطالعۂ قرآن‘‘ (Quranic study circles) رکھا تھا۔ ان میں ایک دوسرے سے سمجھنا اور سمجھانا ہوتا تھا۔ تدارس باب مفاعلہ سے ہے یعنی سمجھنا اور سمجھانا‘ اس میں مشارکت ہوتی ہے‘ سب لوگوں کی شرکت ہوتی ہے اور یہی بہترین طریقہ ہوتا ہے سیکھنے اور سکھانے کا۔ اگرچہ حالات کے تقاضے کے تحت یک طرفہ کلام (monologue) کے ذریعے سے ہمارا درس ہوتا ہے۔ بہرحال اس سے بھی بات پھیلتی ہے۔

چوتھی حدیث

یہ حدیث بھی مسلم شریف کی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: اِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ ، اَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ، اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهٗ))

’’جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے سوائے تین چیزوں کے: ایک صدقہ جاریہ ہے‘ دوسرا ایسا علم ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں‘ اور تیسرا نیک وصالح اولاد ہے جو اس کے لیے دعا کرے۔‘‘

جب کسی انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین اعمال کے۔ ظاہر بات ہے کہ ہماری مہلتِ عمل ہماری زندگی پر محیط ہے۔ اسے تین گھنٹے کے امتحان کی مانند پچاس ساٹھ برس کا امتحان سمجھ لیں۔ جب تین گھنٹے کا امتحان ختم ہوتا ہے تو اعلان ہوتا ہے! Stop Writing وقت ختم ہو گیا ہے۔ تو موت کے ساتھ ہماری مہلتِ عمل ختم ہو جاتی ہے‘ لیکن اس کے بعد بھی ان تین چیزوں کے اعتبار سے انسان کے لیے اجر و ثواب کا کھاتہ کھلا رہتا ہے۔ ((صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ)) کوئی کام جو لوگوں کی بہبود کے لیے کیا گیا ہو۔ پُرانے زمانے میں سرائیں ہوا کرتی تھیں کہ مسافر آئیں‘ آرام کریں۔

کہیں کنویں کھدوا دیے جاتے تھے‘ کہیں پُل بنوا دیے جاتے تھے‘ کہیں مسجد بنا دی گئی کہ لوگ آئیں اللہ کا ذکر کریں۔ ((اَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ)) دوسری شے ہے وہ علم جس کے ذریعے سے نفع حاصل کیا جا رہا ہو۔ یعنی کسی نے اپنی زندگی میں جو علم پھیلایا تھا اب وہ اور آگے پھیلے گا‘ اس کے شاگرد آگے پھیلائیں گے‘ ان کے شاگرد پھر آگے پھیلائیں گے۔ جہاں تک یہ سلسلہ جاری رہے گا‘ جس شخص نے اس کا آغاز کیا تھا اُس کے اللہ تعالیٰ کے ہاں جو کھاتے کھلے ہوئے ہیں‘ ان میں اس ثواب کا اندراج ہوتا رہے گا۔ ((اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهٗ)) صالح اور نیک اولاد سب سے بڑا صدقۂ جاریہ ہے۔ کیونکہ اولاد اس کے لیے (مغفرت کی) دعا بھی کرے گی۔

پانچویں حدیث

یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں وارد ہوئی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((النَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالفِضَّةِ‘ خِيَارُهُم فِي الجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُم فِي الإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوا))

’’انسان معدنیات کی طرح ہیں‘ جیسے سونے اور چاندی کی کانیں ہوتی ہیں۔ جو لوگ جاہلیت کے زمانے میں بہتر (اور اچھی صفات کے مالک) تھے‘ وہ اسلام لانے کے بعد بھی بہتر (اور اچھی صفات والے) ہیں‘ بشرطیکہ وہ دین کا علم بھی حاصل کریں۔‘‘

اس حدیث میں خاص بات یہ ہے کہ آپ لفظ ’’تفقہ‘‘ کو سمجھ جائیں۔ قرآن کے علم کے لیے حکمت کا لفظ بھی ہے‘ خیر کا اور تفقہ کا بھی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کی مثال معدنیات کی سی ہے‘ یعنی انسان اپنی خِلقت کے لحاظ سے مختلف مزاج لے کر دنیا میں آتے ہیں‘ جیسے سونے کی کان میں سونا اور چاندی کی کان میں چاندی ہوتی ہے اسی طرح ہر انسان کا مزاج بھی ایک سا نہیں ہوتا۔ ((خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْاِسْلَامِ)) ان انسانوں میں سے جو لوگ زمانۂ جاہلیت میں بہترین تھے‘ وہی اسلام

لانے کے بعد بہترین ثابت ہوئے۔ اس لیے کہ انسانی شخصیت کا جو ہیولا بنا ہوا ہے وہ برتر ہوگا تو برتر اور اعلیٰ مؤمن ہوگا اور اگر بنیادی خمیر کمتر ہوگا تو وہ مؤمن تو ہوگا‘ لیکن کمتر مؤمن ہوگا۔ اس پہلے درجے کے برابر کا مؤمن نہیں ہوگا۔ البتہ یہ بات ذہن میں رکھیں کہ جہاں تک اجر وثواب کا معاملہ ہے اس کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے‘ کیونکہ اللہ تعالیٰ انسان کی طاقت یعنی صلاحیت کے مطابق حساب لے گا۔ اللہ تعالیٰ کا محاسبہ اندھے کی لاٹھی کی طرح نہیں ہوگا کہ سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکے‘ بلکہ ہر کسی کا الگ الگ انفرادی حساب اُس کی صلاحیت اور حالات کے مطابق ہوگا: ﴿وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۝۹۵﴾ (مریم) ”اور ان میں سے ہر ایک روزِ قیامت اُس کے حضور تنہا آئے گا۔“ البتہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے رنگارنگی پیدا کی ہے۔ یہ جو تنوع اور اختلاف ہمیں نظر آ رہا ہے اگر یہ نہ ہو تو یکسانی و یک رنگی (monotony) سے انسان کی طبیعت بے زار ہو جائے۔ ع ”اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے!“ اختلاف کے اندر ایک حسن ہے اور وہ حسن تخلیقی ہے‘ البتہ محاسبے کے لحاظ سے ہر انسان کا امتحان اس کی استطاعت کے مطابق ہوگا۔

اصل قابلِ توجہ لفظ اس حدیث کا ہے: ”اِذَا فَقِهُوْا“ کہ جب وہ دین کا فہم حاصل کر لیں۔ ہماری بعض دینی اصطلاحات ایسی ہیں کہ جن کا اصل مفہوم ذہنوں سے بالکل غائب ہو گیا ہے‘ کیونکہ وہ کسی اور مفہوم میں زیادہ عام ہو گئی ہیں‘ مثلاً ”احسان“۔ اب ”احسان“ ہم سمجھتے ہیں کسی کے ساتھ بھلائی کرنا‘ جبکہ یہ دین کی بہت اہم اصطلاح ہے۔ درجۂ احسان یہ ہے کہ دین انتہائی خوبصورت ہو جائے‘ آپ کی دینی زندگی انتہائی حسین ہو جائے‘ ہر طرف خوبی ہی خوبی نظر آئے۔ اسی طرح ”فقہ“ کا لفظ ہمارے ہاں عام ہو گیا ہے علم فقہ کی وجہ سے‘ یعنی احکامِ شریعت کا استنباط اور اس کا استخراج کر کے اور قیاس کے ذریعے سے غور کر کے نئے مسائل کے لیے رائے دینا‘ یہ فقہ ہے۔ چنانچہ ہمارے ہاں یہ لفظ فقہی مسائل و مسالک پر چسپاں ہو گیا ہے کہ یہ فقہ حنفی ہے‘ یہ فقہ شافعی ہے‘ یہ فقہ حنبلی ہے‘ یہ فقہ مالکی ہے۔

اصل میں اس کا مفہوم ہے: گہرا فہم۔ یعنی ایک ہے سرسری طور پر آپ ایمان لے

آئے‘ لیکن ایک یہ ہے کہ آپ نے اسلام اور ایمان کی گہرائیوں میں اترنے کی کوشش کی اور ان کو سمجھا۔ ایک ہے قرآن کو سرسری طور پر سمجھنا جسے ”تذکر“ کہتے ہیں۔ قرآن میں ایک ہی سورت میں چار مرتبہ فرمایا گیا: ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝﴾ (القمر) اور قرآن کی گہرائی میں اترنے کا نام ”تدبر“ ہے: ﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ﴾ (النساء:۸۲) ع ”قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں!“ اس کی بڑی کڑی شرائط ہیں‘ اس میں انسان کی پوری زندگی لگ جاتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ایک قول ہے کہ مَیں نے صرف سورۃ البقرۃ پر آٹھ سال تک تدبر کیا۔ حالانکہ انہیں کوئی صرف ونحو پڑھنے کی ضرورت تو نہیں تھی‘ کیونکہ عربی ان کی اپنی زبان تھی اور جس ماحول میں قرآن پاک نازل ہوا‘ اس کا ایک حصہ وہ بھی تھے۔ تدبر کا اصل تقاضا کچھ اور ہی ہے‘ اسی کو ”تفقہ“ کہتے ہیں۔ یہی لفظ اگلی حدیث میں بھی آ رہا ہے۔

چھٹی حدیث

حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ))(متفق علیه)

”اللہ اگر کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دین کا تفقہ عطا فرما دیتا ہے۔“

ایک ہے دین کی سرسری معلومات یا قانونی حصے کی تفصیل اور ایک یہ ہے کہ احکامِ دین کی گہرائی میں اُتر کر دیکھا جائے کہ کسی حکم کا مقصد کیا ہے؟ اس حکم کی حکمت کیا ہے؟ احکام میں کون سی چیز اوّلیت رکھنے والی ہے‘ کون سی شے ثانویت کی حامل ہے۔ اس ترتیب کو اُلٹا کر دیا تو معاملہ ہی گڑبڑ ہو جائے گا۔ حضور ﷺ نے اپنے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے لیے دعا فرمائی: ((اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاْوِيْلَ)) (رواہ البخاری) ”اے اللہ! اس نوجوان کو دین کا تفقہ (گہرا فہم) عطا کر اور قرآن کی تاویل کا علم عطا کر۔“ قرآن کی ”تفسیر“ اور ”تاویل“ میں فرق ہے۔ تفسیر میں الفاظ سے‘ ترکیب سے‘ صرف ونحو سے یا شانِ نزول کے حوالے سے بات کی جاتی ہے‘ جبکہ تاویل یہ ہے کہ کلام کے فہم کو اس کے اصل مدلول تک پہنچانا۔ اس کا اصل مقصود کیا ہے‘ کیا بات کہی

جا رہی ہے‘ اس کا سمجھنا ’’تاویل‘‘ کہلاتا ہے۔

ساتویں حدیث

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا، فَسَلَّطَهُ عَلٰى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ حِكْمَةً فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا)) (متفق علیہ)

’’صرف دو آدمیوں پر رشک کرنا چاہیے‘ ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے وافر مال عطا کیا ہے اور وہ اسے خیر اور بھلائی کے کاموں میں دل کھول کر خرچ کرتا ہے۔ اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ نے حکمت عطا کی ہو تو وہ اسی کی بنیاد پر فیصلے بھی کرتا ہو اور اسی کو پھیلاتا بھی ہو۔‘‘

یہاں ’’حسد‘‘ کا لفظ ’’رشک‘‘ کے معنیٰ میں آیا ہے‘ کیونکہ حسد تو یہ ہے کہ مَیں نے کسی میں کوئی خیر یا خوبی دیکھی تو اب میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ اس سے سلب ہو جائے اور مجھے مل جائے۔ ایک یہ احساس ہے کہ اے اللہ! تُو نے اسے یہ خیر عطا کیا ہے‘ مجھے بھی عطا کر! یہ رشک ہے اور اس میں کوئی بُرائی نہیں ہے۔ گویا صرف دو آدمی قابلِ رشک ہیں۔

ایک ایسا شخص جسے اللہ تعالیٰ نے وافر مال عطا کیا ہے اور وہ اسے خیر اور بھلائی کے کاموں میں دل کھول کر خرچ کرتا ہے۔ وہ مال کو سینت سینت کر نہیں رکھتا بلکہ حق کے لیے خرچ کرتا ہے۔ حق میں ادائے حقوق بھی آ گیا‘ جو بھی رشتہ داروں کے حقوق ہیں‘ والدین اور اولاد کے حقوق ہیں‘ اگر انسان کو اللہ نے وافر مال دیا ہے تو ان حقوق کی ادائیگی میں بخل نہ کرے۔ اور پھر یہ کہ اللہ کے دین کے لیے‘ خیر اور بھلائی کے لیے خرچ کرنا۔ تو ایسے شخص پر رشک آنا چاہیے۔

دوسرا قابلِ رشک شخص وہ ہے جس کو اللہ نے حکمت عطا کی ہو تو وہ اسی کی بنیاد پر فیصلے بھی کرتا ہو اور اسی کو پھیلاتا بھی ہو۔ یہاں حکمت سے مراد قرآن حکیم کی دوسری سطح یعنی ’’تفقہ و تاویل‘‘ ہے۔

آٹھویں حدیث

حضرت حسن بصریؒ سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْإِسْلَامَ فَبَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّبِيِّينَ دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ))

’’جس شخص کو موت آ جائے اس حال میں کہ وہ علم حاصل کر رہا تھا‘ تاکہ وہ اس کے ذریعے سے اسلام کو زندہ کرے‘ تو اُس کے اور نبیوں کے درمیان جنّت میں صرف ایک درجے کا فرق ہوگا۔‘‘

تعلیم و تعلّمِ قرآن کا یہ مقصد ہونا چاہیے کہ اسلام کو زندہ کرنا ہے۔ ظاہری بات ہے کہ اسلام تو مرا نہیں ہے‘ زندہ ہے‘ بس اس کے ساتھ ہماری نسبت مر گئی ہے۔ ہم اور ہمارا پورا معاشرہ اس کے ساتھ جڑا ہوا نہیں ہے۔ یہاں پر اسلام کی حکومت نہیں ہے۔ اس نسبت کو دوبارہ زندہ کرنا جو کبھی خلافتِ راشدہ میں تھی‘ یہ مقصد ہو تعلیم و تعلّم قرآن کا۔ علم برائے علم نہیں بلکہ یہ علم کسی مقصد کے لیے ہو‘ اور وہ مقصد اسلام کا احیاء ہو۔ چنانچہ جو کوئی اس مقصد میں لگا ہوا اور اسے اسی حالت میں موت آ گئی تو اللہ کے ہاں اس بندے کا درجہ یہ ہے کہ اُس کے اور نبیوں کے درمیان جنت میں صرف ایک درجے کا فرق ہوگا۔ یہ ہے بلندی اس کام کی۔ ویسے تو یہ ساری چیزیں اُن الفاظ میں بھی آ گئی ہیں کہ ((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ)) لیکن اُس خیر کا معاملہ کیا ہے‘ کس کس پہلو سے اُس میں بہتری کا امکان ہے اور اس کی وجہ سے انسان کے حق میں کیا کیا ظہور ہوگا؟ یہ حدیث ہمارے لیے اس ضمن میں مزید روشنی فراہم کرتی ہے۔

اب اگلی تین احادیث کے مطالعہ سے پہلے یہ بات سمجھ لیں کہ ہمارا عام تصور یہ ہے کہ نیکی کا جذبہ بڑھے گا تو نوافل زیادہ ہو جائیں گے‘ اذکار میں اضافہ ہوگا‘ بیٹھے بیٹھے تسبیح پڑھتے رہیں گے۔ اور ایک تصور یہ ہے کہ اللہ کے دین کو سیکھنے اور پھیلانے کے لیے اپنا وقت لگایا جائے۔

ہمارے ذہنوں میں یہ تصوّر صدیوں کے تعامل سے رچ بس چکا ہے کہ اصل دین‘

اصل نیکی اور روحانیت تو انفرادی اعمال میں ہے‘ لیکن حضور اکرم ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں ہمارا نسبت تناسب کا فہم درست ہو جانا چاہیے۔ یہ پہلی روایت احمد‘ ترمذی‘ ابوداؤد‘ ابن ماجہ اور دارمی سے ہے۔ حضرت ابودرداؓ‘ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَبْتَغِي فِيْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰه لَهُ طَرِيْقًا إِلَى الْجَنَّةِ، وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتِهَا لَطَالِبِ الْعِلْمِ رِضًا بِمَا يَصْنَع، وَإِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِى السَّمَاواتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ حَتَّى الْحِيْتَانُ فِي الْمَاءِ، وَفَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ، وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، وَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يَوَرِّثُوا دِيْنَارًا وَلَا دِرْهَماً وَإِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ، فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ))

’’جو شخص علم کی تلاش میں کسی راہ پر چل پڑے‘ اللہ تعالیٰ اُس کے لیے جنت کی راہ آسان فرما دیتا ہے۔ بے شک فرشتے طالب علم کے عمل سے خوش ہو کر اس کے لیے اپنے پَر بچھا دیتے ہیں۔ اور یقیناً عالم کے لیے آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوقات مغفرت طلب کرتی ہیں‘ یہاں تک کہ پانی کے اندر کی مچھلیاں بھی۔ اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہی ہے جیسے چاند کی فضیلت سارے ستاروں پر۔ بے شک علماء انبیاءؑ کے وارث ہیں اور انبیاءؑ نے کسی کو دینار اور درہم کا وارث نہیں بنایا‘ بلکہ انھوں نے علم کا وارث بنایا ہے۔ اس لیے جس نے یہ علم حاصل کر لیا اُس نے (علمِ نبویؐ اور وراثتِ نبویؐ سے) پورا پورا حصّہ لے لیا۔‘‘

عالم کا وہی تصوّر ذہن میں رہے جو ہم سابقہ احادیث میں پڑھ آئے ہیں کہ اس سے قرآن کا‘ حدیث کا‘ فقہ کا عالم مراد ہے اور نیت احیاءِ دین ہو‘ پھر انبیاءؑ کے طرزِ عمل سے نبیوں کے وارثوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ کوئی شے وراثت میں نہیں چھوڑنی۔ کوئی شخص اگر تجارت کر رہا ہے اور اُس نے مال جمع کیا تو ٹھیک ہے۔ لیکن اگر کوئی دین سیکھ رہا ہے اور اُس نے مال جمع کیا تو اس کا مطلب ہے کہ اس کا مطلوب تو دنیا تھی۔ اگر ’’وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ‘‘ کا فخر حاصل کرنا چاہتے ہو تو پھر اس معیار پر پورے اُترو‘ پھر تمہاری کوئی

وراثت نہیں ہونی چاہیے‘ کوئی جائیداد مت بناؤ‘ کوئی دولت مت اکٹھی کرو۔ دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى أَدْنَاكُم))ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :((إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ وَأَهْلَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ حَتَّى النَّمْلَةُ فِي جُحْرِهَا وَحَتَّى الْحُوْتُ لَيُصَلُّوْنَ عَلَى مُعَلِّمِي النَّاسَ الْخَيْرَ)) (رواه الترمذی)

’’عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ صحابیؓ پر ہے۔‘‘ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’یقیناً اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے‘ اور آسمان اور زمین والے‘ یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے سوراخوں میں اور مچھلیاں اس شخص کے لیے دعائیں کرتی ہیں‘ جو نیکی و بھلائی کی تعلیم دیتا ہے۔‘‘

’’خیر‘‘ کا مفہوم سورۂ یونس کی درج ذیل آیات کے ذریعہ سے اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝٥٧ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝٥٨﴾

’’اے لوگو! تمہارے پاس آ گئی ہے تمہارے ربّ کی طرف سے نصیحت اور سینوں کے امراض کی شفاء‘ اور ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت۔ آپ فرما دیجیے کہ یہ (قرآن) اللہ ہی کے فضل اور اُسی کی رحمت سے (نازل ہوا) ہے‘ اور اسی پر چاہیے کہ وہ خوشی منائیں۔ یہ کہیں بہتر ہے ان سب چیزوں سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔‘‘

اگلی حدیث میں ہے:

سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ رَجُلَيْنِ كَانَا فِي بَنِي إِسْرَائِيْلَ :أَحَدُهُمَا كَانَ عَالِماً يُصَلِّي الْمَكْتُوبَةَ ثُمَّ يَجْلِسُ فَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ، وَالْآخَرُ يَصُوْمُ النَّهَارَ وَيَقُوْمُ اللَّيْلَ، أَيُّهُمَا أَفْضَلُ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((فَضْلُ هٰذَا

العَالِمِ الَّذي يُصَلِّي المكتوبَةَ ثُمَّ يَجلِسُ فَيُعَلِّمُ النّاسَ عَلَى العابِدِ الَّذي يَصومُ النَّهارَ ويَقومُ اللَّيلَ كَفَضْلِي عَلَى أدناكُمْ رَجُلًا)) (رواہ الدارمی)

''حضور ﷺ سے بنی اسرائیل کے دو اشخاص کے بارے میں پوچھا گیا' جن میں سے ایک عالم تھا اور وہ فرض نماز پڑھتا' پھر بیٹھ جاتا اور لوگوں کو خیر کی تعلیم دیتا۔ جب کہ دوسرا دن میں روزہ رکھتا اور رات کو قیام کرتا (چنانچہ آپؐ سے پوچھا گیا:) کہ ان دونوں میں سے افضل کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس عالم کی فضیلت جو صرف فرض نماز پڑھتا اور بیٹھ کر لوگوں کو خیر کی تعلیم دیتا ہے اُس عابد پر جو دن کو روزہ رکھتا اور رات کو قیام کرتا ہے ایسی ہی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے کسی ادنیٰ آدمی پر ہے۔''

ان تینوں احادیث کی روشنی میں جو نسبت تناسب سامنے آیا ہے اس کی روشنی میں ہمارے اندر دین کے بارے میں تناسب کا احساس (sense of proportion) درست ہونا چاہیے۔ ہمارے ہاں جو تصوّرات بالکل اُلٹ ہو گئے ہیں اُن تصوّرات کو توڑنا آسان کام نہیں ہے' لیکن یہ کہ ان احادیثِ نبویہؐ کے حوالے سے ہمیں اپنے "value structure" کی تصحیح کر لینی چاہیے اور ان احادیث کو تازہ کرتے رہنا چاہیے۔ جو لوگ دین کے کام میں لگے ہوئے ہیں' انہیں ان احادیث کے ذریعے انشراح حاصل کرنا چاہیے۔

اب آخری حدیث ہے ایک برعکس کیفیت کے لیے کہ اسی علم کا حصول دنیا کمانے کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں دین بھی ایک پیشہ بن گیا ہے اور عام طور پر دینی تعلیم کا حصول اسی مقصد کے لیے ہوتا ہے۔ اِلّا ماشاء اللہ! حضرت کعب بن مالک ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ طَلَبَ العِلمَ لِيُجارِيَ بِهِ العُلَماءَ أَوْ لِيُمارِيَ بِهِ السُّفَهاءَ أَوْ يَصْرِفَ بِهِ وُجوهَ النّاسِ إِلَيْهِ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ النّارَ)) (سنن الترمذی)

''جو شخص علم کا حصول علمائے کرام سے مقابلہ کرنے کے لیے' یا احمقوں پر رعب ڈالنے کے لیے' یا لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف پھیرنے کے لیے کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں داخل کرے گا۔''

آخری حدیث متنبہ کرنے والی ہے' ہمارے لیے وارننگ ہے کہ اس اعتبار سے نیت خالص ہونی چاہیے۔ چنانچہ اکثر محدثین نے اپنے جو مجموعے مرتب کیے ان میں سب سے پہلے وہ یہ حدیث لائے کہ ((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ)) (رواہ البخاری) ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔'' نیکی کا کوئی بڑے سے بڑا کام ہو اور نیت خراب ہو تو اللہ کے نزدیک اس کا کوئی وزن نہیں' بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں شرک کے زمرے میں بھی شمار ہو سکتا ہے۔ از روئے حدیث نبویؐ: ((مَنْ صَلّٰى يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ)) ''جس نے دکھاوے کی نماز پڑھی اُس نے شرک کیا'' ((وَمَنْ صَامَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ)) ''اور جس نے دکھاوے کے لیے روزہ رکھا اُس نے شرک کیا'' ((وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ)) (رواہ احمد) ''اور جس نے دکھاوے کا صدقہ کیا اس نے بھی شرک کیا۔'' بلکہ وہ شرک کر چکا۔ چنانچہ طلبِ علم کے لیے نیت کا درست ہونا بہت ضروری ہے اور اس نیت پر ہی کسی کے جنت یا جہنم میں داخلے کا دارومدار ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان تمام احادیث کی برکت' سبق اور رہنمائی سے بھرپور استفادے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں اپنی نیت کو خالص کرتے ہوئے تحصیلِ علم کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یاربّ العالمین!

اَقُوْلُ قَوْلِي هٰذَا وَ اسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِيْ وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ ○

بقیہ: عرضِ احوال

دولت کی غیر منصفانہ تقسیم سے ایک طبقہ بھوک' افلاس اور غربت کی وجہ سے سسک سسک کر مرتا رہے گا اور دوسری طرف آف شور کمپنیاں بنتی رہیں گی۔ لہٰذا مسلمانوں کی نجات نہ جمہوریت میں ہے' نہ فوجی مارشل لاء میں اور نہ ہی بادشاہت میں' بلکہ حقیقی آزادی اور نجات کا راستہ صرف اس میں ہے کہ تمام مکاتبِ فکر مل کر نظامِ اسلام کے قیام کے لیے تحریک چلائیں۔ ایسا کرنے کے بجائے اگر وہ کبھی کسی بل کے خلاف مظاہرہ کریں گے اور کبھی کسی بل کے خلاف تو سرمایہ دار اپنی مکر کی چالوں سے ان کو فریب دیتے رہیں گے۔ عالمی دجالی ایجنڈا آگے سے آگے بڑھتا رہے گا' جبکہ عام انسان عالمی سامراج کی غلامی کے شکنجے میں کستا چلا جائے گا! ❁❁❁

ذکرِ الٰہی کی اہمیت

احمد علی محمودی

ذکر کا معنی و مفہوم

لغوی اعتبار سے لفظ ’ذکر‘ کے مندرجہ ذیل معانی ہیں: یاد کرنا‘ ذہن میں کسی چیز کو دُہرانا‘ بار بار دیکھنا یا بھولی ہوئی چیز کو یاد کرنا‘ قول بیان کرنا‘ وغیرہ۔ قرآن مجید میں یہ لفظ نصیحت‘ اللہ کی یاد‘ نماز‘ دعا اور قرآن کے معانی میں استعمال ہوا ہے۔ ان سب میں یادِ الٰہی اور ذکر اللہ مشترک ہے۔

قرآن مجید میں ذکر کے مقابل غفلت کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں‘ جس کے معنی خدا فراموشی کے ہیں۔ لہٰذا ذکر الٰہی کا مفہوم یہ ٹھہرا کہ بندۂ مؤمن اللہ تعالیٰ کی طرف سے کبھی غافل نہ ہو اور ہر وقت اور ہر حالت میں خالق حقیقی کو یاد رکھے‘ کیونکہ صوفیاء کے قول ’’جو دم غافل سو دم کافر‘‘ کے مطابق جو سانس اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہے‘ وہ ناشکری کی حالت میں گزر رہا ہے۔

ذکرِ الٰہی: قرآنی آیات کی روشنی میں

(۱) ﴿فَاذۡکُرُوۡنِیۡۤ اَذۡکُرۡکُمۡ وَ اشۡکُرُوۡا لِیۡ وَ لَا تَکۡفُرُوۡنِ ﴿۱۵۲﴾﴾ (البقرۃ)

’’پس تم مجھے یاد کیا کرو‘ مَیں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کیا کرو اور میری ناشکری نہ کیا کرو۔‘‘

(۲) ﴿وَ الَّذِیۡنَ اِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَۃً اَوۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسۡتَغۡفَرُوۡا لِذُنُوۡبِہِمۡ ۪ وَ مَنۡ یَّغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّا اللّٰہُ ۪۟ وَ لَمۡ یُصِرُّوۡا عَلٰی مَا فَعَلُوۡا وَ ہُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۳۵﴾﴾ (آلِ عمران)

’’اور وہ لوگ جب کوئی بے حیائی کا کام کر بیٹھیں یا اپنے حق میں ظلم کریں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں سے بخشش مانگتے ہیں۔ اور سوائے اللہ کے اور کون ہے گناہ بخشنے والا! اور اپنے کیے پر وہ جانتے بوجھتے اڑتے نہیں ہیں۔‘‘

(۳) ﴿فَاِذَا قَضَیۡتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِکُمۡ ۚ﴾ (النساء:۱۰۳)

’’پھر (اے مسلمانو!) جب تم نماز ادا کر چکو تو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر (لیٹے‘ ہر حال میں) یاد کرتے رہو۔‘‘

﴿وَ اذۡکُرۡ رَّبَّکَ فِیۡ نَفۡسِکَ تَضَرُّعًا وَّ خِیۡفَۃً وَّ دُوۡنَ الۡجَہۡرِ مِنَ الۡقَوۡلِ بِالۡغُدُوِّ وَ الۡاٰصَالِ وَ لَا تَکُنۡ مِّنَ الۡغٰفِلِیۡنَ ﴿۲۰۵﴾﴾ (الاعراف)

’’اور اپنے ربّ کو اپنے دل میں عاجزی کرتے اور ڈرتے ہوئے یاد کرتے رہو صبح اور شام بلند آواز کی بجائے ہلکی آواز سے‘ اور غافلوں میں سے نہ ہو جاؤ۔‘‘

(۴) ﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا لَقِیۡتُمۡ فِئَۃً فَاثۡبُتُوۡا وَ اذۡکُرُوا اللّٰہَ کَثِیۡرًا لَّعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۴۵﴾﴾ (الانفال)

’’اے ایمان والو! جب (دشمن کی) کسی فوج سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہا کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔‘‘

﴿وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّہَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیۡلِ ؕ اِنَّ الۡحَسَنٰتِ یُذۡہِبۡنَ السَّیِّاٰتِ ؕ ذٰلِکَ ذِکۡرٰی لِلذّٰکِرِیۡنَ ﴿۱۱۴﴾﴾ (ھود)

’’اور نماز قائم کرو دن کے دونوں طرف اور کچھ حصہ رات کا۔ بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں۔ یہ نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے۔‘‘

(۵) ﴿اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ تَطۡمَئِنُّ قُلُوۡبُہُمۡ بِذِکۡرِ اللّٰہِ ؕ اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ ﴿۲۸﴾﴾ (الرعد)

’’جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہوتے ہیں۔ جان لو! اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔‘‘

(۶) ﴿وَ اذۡکُرۡ رَّبَّکَ اِذَا نَسِیۡتَ﴾ (الکھف:۲۴)

’’جب تم بھول جاؤ تو اللہ کو یاد کرو!‘‘

(۷) ﴿وَ لَذِکۡرُ اللّٰہِ اَکۡبَرُ ؕ وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ مَا تَصۡنَعُوۡنَ ﴿۴۵﴾﴾ (العنکبوت)

’’اور اللہ کا ذکر واقعی سب سے بڑا ہے۔ اور اللہ ان (کاموں) کو جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔‘‘

(۸) ﴿وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝۳۵﴾ (الاحزاب)

’’اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور عورتوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجرِعظیم بطور بدلہ تیار کر رکھا ہے۔‘‘

(۹) ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝۴۱ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝۴۲ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰۗىِٕكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ۝۴۳﴾ (الاحزاب)

’’اے ایمان والو! تم کثرت سے اللہ کا ذکر کیا کرو۔ اور صبح و شام اُس کی تسبیح کیا کرو۔ وہی ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اُس کے فرشتے بھی تاکہ تمہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالے۔ اور وہ ایمان والوں پر نہایت رحم کرنے والا ہے۔‘‘

(۱۰) ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۹ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۰﴾ (الجمعة)

’’اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن (جمعہ کی) نماز کے لیے اذان دی جائے تو فوراً اللہ کے ذکر (یعنی خطبہ و نماز) کی طرف تیزی سے چل پڑو اور خرید و فروخت (یعنی کاروبار) چھوڑ دو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔ پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور (پھر) اللہ کا فضل تلاش کرنے لگو اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔‘‘

(۱۱) ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۹﴾ (المنٰفقون)

’’اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد (کہیں) تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں، اور جو شخص ایسا کرے گا تو وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔‘‘

(۱۲) ﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝۸﴾ (المزمل)

’’اور آپ اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کریں اور ہر طرف سے کٹ کر بس اُسی کے ہو رہیں۔‘‘

ذکرِ الٰہی: احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں

(۱) حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى: اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ، وَاَنَا مَعَهُ اِذَا ذَكَرَنِيْ، فَاِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهُ فِيْ نَفْسِيْ، وَاِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ مَلَاٍ ذَكَرْتُهُ فِيْ مَلَاٍ خَيْرٍ مِّنْهُمْ، وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَيَّ بِشِبْرٍ تَقَرَّبْتُ اِلَيْهِ ذِرَاعًا وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ اِلَيْهِ بَاعًا، وَاِنْ اَتَانِيْ يَمْشِيْ اَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً)) (متفق علیه)

’’اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ میرے متعلق جیسا گمان رکھتا ہے، مَیں اُس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں۔ جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو مَیں اُس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ پھر اگر وہ اپنے دل میں میرا ذکر کرے تو مَیں بھی (اپنے شایانِ شان) خفیہ اس کا ذکر کرتا ہوں، اور اگر وہ کسی جماعت میں میرا ذکر کرے تو مَیں اُس کی جماعت سے بہتر جماعت میں اُس کا ذکر کرتا ہوں۔ اگر وہ ایک بالشت میرے نزدیک آئے تو مَیں ایک بازو کے برابر اُس کے نزدیک ہو جاتا ہوں، اور اگر وہ ایک بازو کے برابر میرے نزدیک آئے تو مَیں دو بازوؤں کے برابر اُس کے نزدیک ہو جاتا ہوں، اور اگر وہ میری طرف چل کر آئے تو مَیں اُس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔‘‘

(۲) حضرت ابوہریرہ اور ابوسعید خدری ؓ دونوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کے بارے میں گواہی دی کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهُ (رواه مسلم و الترمذی)

’’جب بھی کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے جمع ہوتے ہیں تو انہیں فرشتے ڈھانپ لیتے ہیں اور رحمت انہیں اپنی آغوش میں لے لیتی ہے اور ان پر سکینت (سکون و طمانیت) کا نزول ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اُن کا ذکر اپنی بارگاہ کے حاضرین (مقرب فرشتوں) میں کرتا ہے۔‘‘

(۳) حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ عَلٰی اَحَدٍ یَقُوْلُ :اَللّٰهُ ، اَللّٰهُ)) وَفِیْ رِوَایَةٍ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی لَا یُقَالَ فِی الْاَرْضِ : اَللّٰهُ ، اَللّٰهُ)) (رواہ مسلم)

’’اللہ اللہ کہنے والے کسی شخص پر قیامت نہیں آئے گی (یعنی جب قیامت آئے گی تو دنیا میں کوئی بھی اللہ اللہ کرنے والا نہ ہوگا)‘‘۔ دوسری روایت میں فرمایا: ’’قیامت اس وقت برپا ہوگی۔ جب دنیا میں اللہ اللہ کہنے والا کوئی نہیں رہے گا۔‘‘

(۴) حضرت ابودرداء ؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِخَیْرِ اَعْمَالِکُمْ وَاَزْکَاهَا عِنْدَ مَلِیْکِکُمْ، وَاَرْفَعِهَا فِیْ دَرَجَاتِکُمْ، وَخَیْرٌ لَکُمْ مِنْ اِنْفَاقِ الذَّهَبِ وَالْوَرِقِ، وَخَیْرٌ لَکُمْ مِنْ اَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّکُمْ، فَتَضْرِبُوْا اَعْنَاقَهُمْ وَیَضْرِبُوْا اَعْنَاقَکُمْ؟ قَالُوْا : بَلٰی! قَالَ :((ذِکْرُ اللّٰهِ تَعَالٰی)) (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

’’کیا میں تمہیں تمہارے اعمال میں سے سب سے اچھا عمل نہ بتاؤں جو تمہارے مالک کے ہاں بہتر اور پاکیزہ ہے‘ تمہارے درجات میں سب سے بلند ہے‘ تمہارے سونے اور چاندی کی خیرات سے بھی افضل ہے‘ اور تمہارے دشمن کا سامنا کرنے یعنی جہاد سے بھی بہتر ہے یہاں تک کہ تم انہیں قتل کرو اور وہ تمہیں قتل کر دیں؟‘‘ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: کیوں نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا: ’’وہ عمل اللہ کا ذکر ہے۔‘‘

(۵) حضرت عبد اللہ بن بسر ؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! احکامِ اسلام مجھ پر غالب آ گئے ہیں‘ مجھے کوئی ایسی چیز بتائیں جسے میں انہماک سے کرتا رہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا یَزَالُ لِسَانُکَ رَطْبًا مِنْ ذِکْرِ اللّٰهِ))

’’تیری زبان ہر وقت ذکرِ الٰہی سے تر رہنی چاہیے۔‘‘

(۶) حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ قَعَدَ مَقْعَدًا لَمْ یَذْکُرِ اللّٰهَ فِیْهِ کَانَتْ عَلَیْهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةٌ ، وَمَنِ اضْطَجَعَ

مُضْطَجَعًا لَا یَذْکُرُ اللّٰهَ فِیْهِ کَانَتْ عَلَیْهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةٌ)) (رواہ ابوداؤد)

’’جو اپنے بیٹھنے کی جگہ سے اُٹھ گیا اور اس مجلس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر ندامت وارد ہوگی‘ اور جو بستر میں لیٹے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے بھی ندامت ہوگی۔‘‘

(۷) حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اَکْثِرُوْا ذِکْرَ اللّٰهِ حَتّٰی یَقُوْلُوْا : مَجْنُوْنٌ)) (رواہ احمد و ابن حبان وابویعلی)

’’اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کرو کہ لوگ تمہیں دیوانہ کہیں۔‘‘

(۸) حضرت معاذ ؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضور نبی اکرم ﷺ سے پوچھا: کون سے مجاہد کا ثواب زیادہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَکْثَرُهُمْ لِلّٰهِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی ذِکْرًا)) قَالَ : فَاَیُّ الصَّآئِمِیْنَ اَعْظَمُ اَجْرًا؟ قَالَ :((اَکْثَرُهُمْ لِلّٰهِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی ذِکْرًا)) ثُمَّ ذَکَرَ لَنَا الصَّلَاةَ وَالزَّکَاةَ وَالْحَجَّ وَالصَّدَقَةَ کُلُّ ذٰلِکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ :((اَکْثَرُهُمْ لِلّٰهِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی ذِکْرًا)) فَقَالَ اَبُوْ بَکْرٍ لِعُمَرَ رضي الله عنهما : یَا اَبَا حَفْصٍ، ذَهَبَ الذَّاکِرُوْنَ بِکُلِّ خَیْرٍ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَجَلْ)) (رواہ احمد والطبرانی)

’’اُن (مجاہدین) میں سے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر زیادہ کرتا ہے‘‘۔ اس نے دوبارہ عرض کیا: روزہ داروں میں سے کس کا ثواب زیادہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’اُن میں سے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر زیادہ کرتا ہے‘‘۔ پھر اُس نے ہمارے لیے نماز‘ زکوٰۃ‘ حج اور صدقے کا ذکر کیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ ہر بار فرماتے رہے: ’’جو اُن میں سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر زیادہ کرتا ہے‘‘۔ اس پر حضرت ابوبکر ؓ نے حضرت عمر ؓ سے کہا: اے ابوحفص! اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے تو ہر بھلائی لے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’بالکل (درست ہے)۔‘‘

(۹) حضرت ابوجوزا ؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اَکْثِرُوْا ذِکْرَ اللّٰهِ حَتّٰی یَقُوْلَ الْمُنَافِقُوْنَ :اِنَّکُمْ مُرَاؤُوْنَ))(رواہ البیہقی)

’’اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کیا کرو کہ منافق تمہیں ریاکار کہیں۔‘‘

(۱۰) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ مَیں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے جدا ہوتے ہوئے جو آخری بات کی، وہ یہ تھی: مَیں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل سب سے زیادہ پسند ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَنْ تَمُوْتَ وَلِسَانُکَ رَطْبٌ مِنْ ذِکْرِ اللّٰہِ)) (رواہ ابن حبان والطبرانی)

''یہ کہ جب تُو فوت ہو تو تیری زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر ہو۔''

(۱۱) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَیَذْکُرَنَّ اللّٰہَ قَوْمٌ فِی الدُّنْیَا عَلَی الْفُرُشِ الْمُمَھَّدَۃِ یُدْخِلُھُمُ الدَّرَجَاتِ الْعُلٰی)) (رواہ ابن حبان وابویعلی)

''کچھ لوگ دنیا میں بچھے ہوئے پلنگوں پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں گے اور وہ انہیں (جنّت کے) بلند درجات میں داخل کر دے گا۔''

(۱۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ الشَّیْطَانَ وَاضِعٌ خَطْمَہٗ عَلٰی قَلْبِ ابْنِ آدَمَ ، فَاِنْ ذَکَرَ اللّٰہَ خَنَسَ وَاِنْ نَسِیَ الْتَقَمَ قَلْبَہٗ ، فَذٰلِکَ الْوَسْوَاسُ الْخَنَّاسُ)) (رواہ ابویعلی)

''شیطان ابن آدم کے دل پر اپنی سونڈ (تھوتھنی) رکھے ہوتا ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو بھاگ جاتا ہے، اور اگر وہ بھول جائے تو وہ اسے اُس کے دل میں داخل کر دیتا ہے، اور یہی وسوسہ ڈالنے والا خناس ہے۔''

(۱۳) حضرت اُمّ انس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپؐ مجھے کوئی وصیت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اھْجُرِی الْمَعَاصِیَ فَاِنَّھَا اَفْضَلُ الْھِجْرَۃِ ، وَحَافِظِی عَلَی الْفَرَائِضِ فَاِنَّھَا اَفْضَلُ الْجِھَادِ ، وَاَکْثِرِی ذِکْرَ اللّٰہِ فَاِنَّکِ لَا تَاْتِیْنَ اللّٰہَ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ کَثْرَۃِ ذِکْرِہٖ)) (رواہ الطبرانی)

''گناہوں کو چھوڑ دے کہ یہ سب سے افضل ہجرت ہے، اور فرائض کی پابندی کر کہ یہ سب سے افضل جہاد ہے، اور زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کر کہ تم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کثرتِ ذکر سے زیادہ پسندیدہ کوئی چیز پیش نہیں کر سکتی۔''

(۱۴) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ عَجَزَ مِنْکُمْ عَنِ اللَّیْلِ اَنْ یُکَابِدَہٗ وَبَخِلَ بِالْمَالِ اَنْ یُنْفِقَہٗ وَجَبُنَ عَنِ الْعَدُوِّ اَنْ یُجَاھِدَہٗ فَلْیُکْثِرْ ذِکْرَ اللّٰہِ)) (رواہ الطبرانی)

''تم میں سے جو شخص پوری رات (عبادت کرنے) کی مشقت سے عاجز ہے، دولت خرچ کرنے میں بخیل ہے اور دشمن کے ساتھ جہاد کرنے میں بزدل ہے تو اُسے زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہیے (تاکہ اس کی یہ کمزوریاں دور ہو سکیں)۔''

(۱۵) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَوْ اَنَّ رَجُلًا فِیْ حِجْرِہٖ دَرَاھِمُ یَقْسِمُھَا وَآخَرُ یَذْکُرُ اللّٰہَ کَانَ الذَّاکِرُ لِلّٰہِ اَفْضَلَ)) (رواہ الطبرانی)

''اگر ایک آدمی کے دامن میں درہم ہوں اور وہ انہیں تقسیم کر رہا ہو اور دوسرا اللہ کا ذکر کر رہا ہو تو (اُن دونوں میں) اللہ کا ذکر کرنے والا افضل ہے۔''

(۱۶) حضرت ابوالمخارق رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مَرَرْتُ لَیْلَۃَ اُسْرِیَ بِیْ بِرَجُلٍ مُغَیَّبٍ فِیْ نُوْرِ الْعَرْشِ، قُلْتُ: مَنْ ھٰذَا، اَمَلَکٌ؟ قِیْلَ: لَا، قُلْتُ : نَبِیٌّ؟ قِیْلَ: لَا، قُلْتُ: مَنْ ھُوَ؟ قَالَ: ھٰذَا رَجُلٌ کَانَ فِی الدُّنْیَا لِسَانُہٗ رَطْبٌ مِنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَقَلْبُہٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسَاجِدِ وَلَمْ یَسْتَسِبَّ لِوَالِدَیْہِ قَطُّ)) (رواہ ابن ابی الدنیا فی کتاب الاولیاء)

''معراج کی رات میں ایک آدمی کے پاس سے گزرا جو عرش کے نور میں ڈوبا ہوا تھا۔ مَیں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ کیا یہ فرشتہ ہے؟ کہا گیا: نہیں۔ مَیں نے پوچھا: کیا یہ کوئی نبی ہے؟ جواب ملا: نہیں۔ مَیں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ (کہنے والے نے) کہا: یہ وہ آدمی ہے۔ جس کی زبان دنیا میں اللہ کے ذکر سے تر رہتی تھی اور اس کا دل مسجد سے معلّق رہتا تھا اور اس نے کبھی اپنے والدین کو گالی نہیں دلوائی۔''

(۱۷) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ سَاعَۃٍ تَمُرُّ بِابْنِ آدَمَ لَمْ یَذْکُرِ اللّٰہَ تَعَالٰی فِیْھَا اِلَّا تَحَسَّرَ عَلَیْھَا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ)) (رواہ الطبرانی)

''ہر وہ گھڑی جو اللہ کے ذکر کے بغیر انسان پر گزرتی ہے' قیامت کے دن وہ اُس پر حسرت کرے گا۔''

(۱۸) حضرت معاذ بن جبل ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَیْسَ یَتَحَسَّرَ اَھْلُ الْجَنَّۃِ عَلٰی شَیْءٍ اِلَّا عَلٰی سَاعَۃٍ مَرَّتْ بِھِمْ لَمْ یَذْکُرُوا اللّٰہَ تعالیٰ فِیْھَا)) (رواہ البیھقی)

''جنت والوں کو سوائے اُس گھڑی کے جو اُن پر اللہ کے ذکر کے بغیر گزری' کسی اور گھڑی پر حسرت نہیں ہوگی۔''

ذکرِ الٰہی: صلحائے اُمّت کے اقوال کی روشنی میں

(۱) حضرت سفیان ثوری ؒ نے حضرت ذوالنون مصری ؒ سے ذکر کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: ''ذکر یہ ہے کہ ذکر کرنے والا (معرفتِ الٰہی میں) اس قدر محو ہو جائے کہ اسے ذکر کی خبر نہ ہو۔'' (الرسالۃ:۲۲۴)

(۲) حضرت ابو یزید بسطامی ؒ سے سوال کیا گیا کہ عارف کی علامت کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ''وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غفلت نہ کرے' اس کے حق سے اُچاٹ نہ ہو اور اس کے علاوہ کسی سے اُنس حاصل نہ کرے۔'' (طبقات الصّوفیۃ:۷۲)

(۳) حضرت جنید بغدادی ؒ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سے غفلت دوزخ میں داخل ہونے سے بدتر ہے۔'' (طبقات الصّوفیۃ:۱۵۹)

(۴) جلیل القدر تابعی حضرت کعب احبار ؒ نے فرمایا: ''اپنے گھروں کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روشن کرو' جس طرح اس کے ساتھ اپنے دلوں کو روشن کرتے ہو۔'' (الطبقات الکبریٰ:۷۰)

(۵) حضرت ذوالنون مصری ؒ نے فرمایا: ''بندے پر خدا تعالیٰ کے ناراض ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ فقر سے ڈرے۔'' آپ فرماتے تھے: ''ہر چیز کی ایک علامت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے دربار سے کسی عارف کے مسترد ہونے کی علامت اس کا ذکرِ الٰہی سے تعلق توڑ لینا ہے۔'' (الطبقات الکبریٰ:۱۰۷)

(۶) حضرت سہل بن عبد اللہ تستری ؒ نے فرمایا: ''مردہ دلوں کی حیات اُس ہستی کے ذکر

سے ہے جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور اُسے کبھی موت نہیں آئے گی۔'' (الطبقات الکبریٰ:۱۱۹)

(۷) شیخ ابو الحسن شاذلی ؒ نے فرمایا: ''عارف جب غفلت کی وجہ سے ایک یا دو سانسوں کے لیے ذکر چھوڑ دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر ایک شیطان مسلّط فرما دیتا ہے جو کہ اس کا ساتھی ہوتا ہے۔'' (الطبقات الکبریٰ:۳۰۶)

(۸) حضرت مجاہد ؒ نے فرمایا: ''انسان کا شمار اس وقت تک کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والوں میں ہوتا ہے جب تک وہ کھڑے' بیٹھے' لیٹے یعنی ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے۔'' (کتاب الزھد:۲۸۰' و حلیۃ الاولیاء' ۲۸۳/۳)

(۹) حضرت ابو عباس ؒ نے فرمایا: ''مؤمن اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ اور منافق کھانے کے ساتھ قوی ہوتا ہے۔'' (طبقات الصّوفیۃ:۲۴۰)

(۱۰) محمد بن فضل ؒ نے فرمایا: ''زبان سے ذکر کرنا گناہوں کا کفارہ اور بلندیٔ درجات کا ذریعہ ہے' جبکہ دل کا ذکر قربِ الٰہی کا سبب ہے۔'' (طبقات الصّوفیۃ:۲۱۶)

(۱۱) حضرت محاسبی ؒ نے فرمایا: ''محبت کرنے والوں کی علامت محبوب کا ہمیشہ اور کثرت سے ذکر کرنا ہے' کہ نہ وہ اسے منقطع کریں' نہ تھکاوٹ محسوس کریں اور نہ اُکتائیں۔ دانا لوگ اس امر پر متفق ہیں کہ جو شخص جس سے محبت کرتا ہے اس کا ذکر زیادہ کرتا ہے۔ محبت کرنے والوں کے دلوں پر محبوب کا ذکر ہی غالب ہوتا ہے۔ وہ اس کے بدل یا اس سے پھر جانے کا ارادہ نہیں کرتے۔ اگر وہ محبوب کے ذکر کو چھوڑ دیں تو ان کی زندگی پریشانی کا شکار ہو جائے۔ اور لذت حاصل کرنے والے محبوب کے ذکر سے زیادہ کسی چیز سے لذت حاصل نہیں کرتے۔'' (المواھب اللّدنیۃ بالمنح المحمدیۃ' ۴۹۵/۲)

(۱۲) امام قشیری ؒ نے فرمایا: ''ذکر کی دو قسمیں ہیں: زبان کا ذکر اور دل کا ذکر۔ زبان کے ذکر کے ذریعے ہی انسان دل کے ذکر کو دائم رکھ سکتا ہے مگر (شخصیت پر) تاثیر دل کے ذکر کی ہوتی ہے۔ لہٰذا جو بندہ زبان اور دل دونوں سے ذکر کرتا ہو تو اس کی حالتِ سلوک اوصافِ کاملہ کی حامل ہے۔'' (الرسالۃ:۲۲۱)

(۱۳) حضرت ابو عمران ؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے اپنے مال میں سے سو غلام آزاد کیے۔ اس کے ہم نشینوں میں سے کسی نے یہ بات حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ کو بتائی تو انہوں

نے فرمایا: ''کیا مَیں تمہیں اس سے بھی بڑی بات نہ بتاؤں؟ دن رات ایمان کو لازم پکڑنا اور یہ کہ تم میں سے ہر ایک کی زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہے۔'' (کتاب الزھد: ۲۸۷)

ذِکرِ الٰہی کی اقسام

قرآن کریم کی تلاوت اور احادیثِ مبارکہ کا مطالعہ‘ درس و تدریس‘ سیرت النبی ﷺ اور سیرتِ صحابہؓ ‘صلحائے اُمّت کی زندگیوں‘ آثار و اقوال اور دینی کتب کا مطالعہ‘ قرآنی و مسنون دعائیں‘ وظائف و اوراد‘ درودِ پاک کی کثرت اور توبہ و استغفار‘ فرائض و نوافل اور کثرتِ سجود کا اہتمام‘ دینی‘ اصلاحی و تربیتی محافل و اجتماعات میں شرکت اور ہر وہ عمل کہ جس کو دیکھ کر یا سن کر دل میں اللہ کی یاد پیدا ہو جائے‘ یہ سب ذکرِ الٰہی ہی کی اقسام ہیں۔

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الّا اللہ

ذکر کے حوالے سے چند مسنون دعائیں

(۱) حضرت معاذ بن جبل ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: اے معاذ! قسم ہے اللہ تعالیٰ کی‘ مَیں تم سے محبت کرتا ہوں‘ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی‘ مَیں تم سے محبت کرتا ہوں۔'' پھر فرمایا: ''اے معاذ! مَیں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھنا کبھی نہ چھوڑنا: ((اَللّٰھُمَّ اَعِنِّی عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ)) (رواہ ابوداؤد)
اے اللہ! اپنے ذکر‘ شکر اور بہترین عبادت کے سلسلہ میں میری مدد فرما۔''

(۲) رَبِّ اجْعَلْنِیْ لَکَ ذَکَّارًا، لَکَ شَکَّارًا، لَکَ رَھَّابًا، لَکَ مِطْوَاعًا لَکَ مُخْبِتًا اِلَیْکَ اَوَّاھًا مُنِیْبًا (الترمذی و ابوداؤد)
''اے اللہ! مجھے اپنا خوب ذکر کرنے والا بنا‘ اپنا خوب شکر کرنے والا بنا‘ بہت زیادہ ڈرنے والا بنا‘ اپنا سراپا اطاعت گزار اور فرمانبردار بنا‘ اپنے حضور انتہائی عاجزی اور انکساری سے جھکنے والا بنا‘ نرم دل اور اپنی بارگاہ میں بار بار رجوع کرنے والا بنا۔''

(۳) اَللّٰھُمَّ افْتَحْ مَسَامِعَ قَلْبِیْ لِذِکْرِکَ، وَارْزُقْنِیْ طَاعَتَکَ وَطَاعَۃَ رَسُوْلِکَ، وَعَمَلًا بِکِتَابِکَ (رواہ الطبرانی)

''اے اللہ! اپنے ذکر کے لیے میرے دل کے کان کھول دے‘ اور مجھے اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی مکمل اطاعت کی توفیق دے‘ اور اپنی کتاب قرآن مجید پر عمل کرنا آسان فرما۔''

(۴) اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ اُعَظِّمُ شُکْرَکَ، وَاُکْثِرُ ذِکْرَکَ، وَاَتَّبِعُ نُصْحَکَ، وَاَحْفَظُ وَصِیَّتَکَ (رواہ الترمذی)
''اے اللہ! مجھے ایسا بنا دے کہ مَیں تیری نعمتوں کی عظمت کو سمجھوں‘ تیرا ذکر کثرت سے کروں‘ تیری نصیحتوں کی تابعداری کروں‘ اور تیری وصیتوں کو خوب یاد رکھوں۔''

(۵) اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ نَفْسًا مُطْمَئِنَّۃً تُؤْمِنُ بِلِقَاءِکَ (رواہ الطبرانی)
''اے اللہ! مَیں تجھ سے ایسا نفس مانگتا ہوں جس کو تیری طرف سے اطمینان کی دولت نصیب ہو اور مرنے کے بعد تجھ سے ملاقات کا اس کو یقین ہو۔''

(۶) اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ التَّوْفِیْقَ لِمَحَابِّکَ مِنَ الْاَعْمَالِ وَ صِدْقَ التَّوَکُّلِ عَلَیْکَ وَ حُسْنَ الظَّنِّ بِکَ (رواہ الترمذی)
''اے اللہ! مَیں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تُو مجھے ان اعمال کی توفیق دے جو تجھے پسند ہیں‘ اور مجھے سچا توکّل عطا فرما اور اپنی ذات کے ساتھ حسنِ ظن رکھنے کی توفیق عنایت فرما۔''
اللہ تعالیٰ ہم سب کو کثرت سے ذکرِ الٰہی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا ربّ العالمین!

ہماری ویب سائٹ
www.tanzeem.org
پر ملاحظہ کیجیے:
☆ تنظیم اسلامی کا تعارف
☆ بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا مکمل دورۂ ترجمۂ قرآن
☆ بانی تنظیم اسلامی اور امیر تنظیم اسلامی کے مختلف خطابات
☆ تلاوتِ قرآن‘ دروسِ قرآن‘ دروسِ حدیث اور خطاباتِ جمعہ
☆ صحیح بخاری‘ صحیح مسلم‘ موطا امام مالک اور اربعین نوویؒ کے تراجم
☆ میثاق‘ حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے
☆ اردو اور انگریزی کتابیں
☆ آڈیو ویڈیو کیسٹس/سی ڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست

مسلمان کی متاع

حیا اور ایمان

شعبہ تعلیم وتربیت، تنظیم اسلامی پاکستان

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّکُمُ الشَّیْطٰنُ کَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْکُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ یَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِیُرِیَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ یَرٰىکُمْ هُوَ وَقَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَاۗءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾﴾ (الاعراف)

’’اے بنی آدم! (دیکھو اب) شیطان تمہیں فتنہ میں نہ ڈالنے پائے، جیسے کہ تمہارے والدین کو اُس نے جنت سے نکلوا دیا تھا (اور) اُس نے اُتروا دیا تھا اُن سے اُن کا لباس، تاکہ اُن پر عیاں کردے اُن کی شرمگاہیں۔ یقیناً وہ اور اُس کی ذریت وہاں سے تم پر نظر رکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں دیکھ نہیں سکتے۔ ہم نے تو شیاطین کو اُن لوگوں کا دوست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔‘‘

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((إِنَّ لِكُلِّ دِينٍ خُلُقًا، وَخُلُقُ الْإِسْلَامِ الْحَيَاءُ)) (موطأ امام مالک)

’’ہر دین کا ایک امتیازی وصف ہے، اور اسلام کا امتیازی وصف حیا ہے۔‘‘

حیا کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ انسان پر بہت مہربان ہے اور وہ چاہتا ہے کہ انسان دوزخ کے عذاب سے بچ جائے اور جنّت میں نعمتوں سے لطف اندوز ہو۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کے نفس میں ایک ایسی قوت رکھ دی ہے جس کی وجہ سے وہ خیر اور اصلاح کے کاموں کی طرف پیش قدمی کرتا ہے اور شر اور بُرائی سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس قوت کا نام ’’حیا‘‘ ہے۔ حیا کے مختلف درجات ہیں اور اس کا کامل ترین درجہ یہ ہے کہ انسان اپنے خالق سے حیا کرے یعنی وہ انسان کو ایسی جگہ موجود نہ پائے جہاں قدم رکھنے سے اُس نے منع کیا ہے اور اس جگہ اسے غیر حاضر نہ پائے جہاں حاضر ہونے کا اُس نے اسے حکم دیا ہے۔

آیئے چند آیاتِ قرآنی اور احادیثِ مبارکہ کے آئینے میں اپنا محاسبہ کریں:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۙ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ﴾ (النور: ۱۹)

’’بے شک جو لوگ چاہتے ہیں کہ اہلِ ایمان میں بے حیائی کا چرچا ہو اُن کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے۔‘‘

بے حیائی کی ایک جھوٹی خبر کی اشاعت اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قدر بڑا جرم ہے تو سوچئے کہ آج کل ذرائع ابلاغ کے ذریعے دن رات جو بے حیائی پھیلائی جارہی ہے، اللہ کے نزدیک یہ کس قدر بڑا جرم اور گناہ ہوگا!

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی اِنَّهٗ کَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِیْلًا ﴿۳۲﴾﴾ (بنی اسرائیل)

’’اور زنا کے قریب بھی مت جاؤ، یقیناً وہ بہت بے حیائی کا کام ہے۔ اور بہت ہی بُرا راستہ ہے۔‘‘

یعنی ہر وہ کام جو زنا اور بے حیائی کی طرف جانے والا ہو، اُس سے بھی بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔

﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾ (الاعراف: ۳۳)

’’کہہ دیجیے: میرے رب نے اعلانیہ اور پوشیدہ بے حیائی کو حرام قرار دیا ہے۔‘‘

بے حیائی میں عریانی، بدکاری، حیا سوز فلمیں اور ڈرامے، نیم برہنہ لباس، بے پردگی، تقریبات میں جسم کی نمائش، عورتوں اور مَردوں کی مخلوط محفلیں سب شامل ہیں۔

احادیثِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

((إِنَّ الْحَيَاءَ وَالْإِيمَانَ قُرَنَاءُ جَمِيعًا، فَإِذَا رُفِعَ أَحَدُهُمَا رُفِعَ الْآخَرُ)) (صحیح الجامع: ۱۶۰۳)

’’حیا اور ایمان لازم وملزوم ہیں، جب ان میں سے کسی ایک کو اٹھایا جاتا ہے تو دوسرا خود بخود اُٹھ جاتا ہے۔‘‘

((إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ)) (صحیح البخاری: ۳۴۸۳)

’’جب تم میں حیا نہ رہے تو جو جی چاہے کرو۔‘‘

((مَا كَانَ الْفُحْشُ فِي شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ وَمَا كَانَ الْحَيَاءُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ)) (سنن الترمذی)

''بے حیائی جس شے میں بھی ہوتی ہے اسے عیب دار بنا دیتی ہے‘ اور حیا جس شے میں بھی ہوتی ہے اسے خوبصورت بنا دیتی ہے۔''

((....لَمْ تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ قَطُّ حَتّٰى يُعْلِنُوا بِهَا إِلَّا فَشَا فِيهِمُ الطَّاعُونُ وَالْأَوْجَاعُ الَّتِي لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِي أَسْلَافِهِمُ الَّذِينَ مَضَوْا .....)) (سنن ابن ماجه: ۴۰۱۹)

''.....جب کسی قوم میں اعلانیہ طور پر بے حیائی فروغ پا جائے تو ان پر طاعون کو مسلط کر دیا جاتا ہے اور ایسی (نت نئی) بیماریوں میں مبتلا کر دیا جاتا ہے جو پچھلی قوموں میں پیدا نہیں ہوئیں.....''

((اَلْحَيَاءُ مِنَ الْإِيمَانِ ، وَالْإِيمَانُ فِي الْجَنَّةِ ، وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ، وَالْجَفَاءُ فِي النَّارِ)) (سنن الترمذي:۲۰۰۹)

''حیا ایمان کا حصہ ہے اور اہلِ ایمان جنت میں ہوں گے‘ جب کہ بے حیائی ظلم ہے اور ظالم جہنم میں جائیں گے۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْمُتَشَبِّهِينَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ، وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ (صحيح البخاري:۵۸۸۵)

''رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی اُن مَردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کریں اور اُن عورتوں پر بھی (لعنت فرمائی) جو مَردوں کی مشابہت اختیار کریں (یعنی شکل و صورت‘ وضع قطع اور لباس وغیرہ میں)۔''

((....وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ، مُمِيلَاتٌ مَائِلَاتٌ، رُؤُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ، لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ، وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا، وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ كَذَا وَكَذَا)) (صحيح الجامع:۳۷۹۹، وصحيح مسلم:۲۱۲۸)

''....اور وہ عورتیں جو کپڑے پہننے کے باوجود برہنہ ہوتی ہیں‘ مَردوں کی طرف مائل ہونے والی اور انہیں اپنی طرف مائل کرنے والی —— اُن کے سر بختی اونٹوں کی کوہان جیسے اونچے ہوں گے —— وہ نہ جنت میں داخل ہوں گی اور نہ ہی اس کی خوشبو پا سکیں گی‘ حالانکہ جنت کی خوشبو تو سینکڑوں میل کی مسافت سے آتی ہے۔''

کپڑے پہننے کے باوجود عریاں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کپڑے اس قدر باریک اور تنگ ہوں کہ اُن سے بدن نظر آئے یا جسم کے خدوخال نمایاں ہوں۔

دورِ حاضر

آج انسان نے مادّی اعتبار سے تو بہت ترقی کر لی ہے‘ لیکن روحانی و اخلاقی اعتبار سے بڑی تیزی کے ساتھ ذِلّت اور پستی کی طرف جا رہا ہے۔ بے حیائی‘ عریانی و فحاشی کو فیشن‘ آرٹ‘ کلچر‘ جدّت پسندی اور آزادی کا نام دے دیا گیا ہے اور اس مادر پدر آزادی پر ایوارڈ دیے جا رہے ہیں۔ ہندوانہ اور مغربی تہذیب ہمارے مسلمان گھرانوں اور معاشروں میں نہ صرف بڑی تیزی کے ساتھ سرایت کرتی جا رہی ہے بلکہ عوام الناس کی بھی اس معاملے میں حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ ہمارے دولت مند طبقہ میں پردہ اور حیا کو قدامت پسندی‘ دقیانوسیت اور جہالت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

فحاشی کی اشاعت

آج کل بے حیائی کو بڑے منظم انداز میں پھیلایا جا رہا ہے۔ پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا اور سوشل میڈیا کے ذریعے بے حیائی کو جدیدیت‘ کلچر‘ بسنت‘ ویلنٹائن ڈے‘ کیٹ واک‘ میراتھن ریس‘ روشن خیالی‘ LGBTQ+‘ ٹرانس جینڈر اور بون فائر جیسے دل فریب ناموں کے ساتھ پاکستانی معاشرے میں پھیلایا جا رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ فحش اور بیہودہ لٹریچر‘ اشتہارات‘ سنسنی خیز خبریں اور سکینڈلز‘ میوزیکل پروگرامز‘ مخلوط اور ترقی پسند تعلیمی ادارے اور مساواتِ مَرد و زن کے نعرے ہمارے معاشرے میں ایسے عوامل ہیں جو براہ راست شرم و حیا کو متاثر کرنے کا سبب بن رہے ہیں۔

بے حیائی کو ختم کرنے اور حیا کے فروغ کے لیے ہماری ذمہ داری اور عملی اقدامات

قرآن مجید نے واضح طور پر بیان کیا ہے کہ اس اُمّت کے خیرِ اُمّت ہونے کی وجہ ہی اچھے کاموں کو فروغ دینا اور بُرائی سے روکنے کی ذمہ داری ہے۔ آج اس ذِمہ داری کو پورا کرنے کے لیے بے حیائی کے اس سیلاب کے خلاف بند باندھنے کی اشد ضرورت ہے۔ اگر واقعی ہمارے اندر بُرائی سے نفرت اور خیر کے کام کرنے کا جذبہ بیدار ہے تو ہمیں دنیا و آخرت

میں کامیابی کے لیے شرم وحیا کے فروغ کی خاطر انفرادی اور اجتماعی سطح پر درج ذیل اقدامات کرنا ہوں گے‘ جس کا آغاز ”الأقرب فالأقرب“ کی بنیاد پر اپنی ذات اور اپنے گھر سے ہوگا۔ اس ضمن میں اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے تنظیم اسلامی حیا کے کلچر کو عام کرنے اور معاشرے میں پھیلتی ہوئی بے حیائی اور عریانی وفحاشی کا سدِباب کرنے کے لیے کوشاں ہے۔

اسلامی معاشرہ کے قیام کے لیے درج ذیل اقدامات لازمی ہیں:

۱) ستر وحجاب کے احکامات کے مطابق لباس زیب تن کیا جائے۔

۲) مخلوط محافل اور رسومات میں شرکت سے اجتناب اور شرعی پردہ کا اہتمام کیا جائے۔

۳) غضِ بصر یعنی نظر کی حفاظت کو یقینی بنایا جائے۔

۴) فحش گفتگو نیز نامحرم سے اختلاط سے اجتناب کیا جائے۔

۵) موبائل اور انٹرنیٹ کا صرف کارآمد اور ضروری استعمال کیا جائے۔

۶) مملکتِ خداداد پاکستان میں LGBTQ+ اور ٹرانس جینڈر قانون جیسی خرافات کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ حکومت اس بے ہودہ ایجنڈے کی بیخ کنی کے لیے عملی اقدامات کرے۔

۷) مین سٹریم اور سوشل میڈیا فحاشی کی تشہیر میں سرفہرست ہیں‘ لیکن جب اس کے نتیجہ میں کوئی بدکار انسان کسی بچّی یا بچے کے ساتھ درندگی کا مظاہرہ کرتا ہے تو یہی میڈیا چیخ وپکار کرتا ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ میڈیا پر فحاشی کی تشہیر کو روکا جائے۔

۸) میڈیا کی اصلاح انتہائی ضروری ہے‘ لہٰذا میڈیا کی اصلاح کے قوانین بنانے کے لیے آواز بلند کی جائے۔

یاد رکھیں! اُمتِ مُسلمہ آج بھی اگر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی میں مصروف ہوجائے‘ شرم وحیا کو اپنا زیور بنالے اور اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لے تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مسلمانوں کو اُن کی کھوئی ہوئی قدر ومنزلت دوبارہ عطا فرمادیں۔ بقول علامہ اقبال ؎

کی محمدؐ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں!

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو ہمارا دینی فریضہ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یاربّ العالمین! ۞۞

حیاتِ انسانی کی اُلجھنیں

راحیل گوہر صدیقی*

انسان کی زندگی ایک ایسی اُلجھی ہوئی ڈور ہے جس کا سرا ڈھونڈتے بعض اوقات ساری عمر بیت جاتی ہے مگر ڈور سلجھنے ہی نہیں پاتی۔ زندگی کی اس اُلجھی ڈور کو سلجھانے کے لیے جس فہم و فراست‘ دور اندیشی اور دروں بینی کی ضرورت ہوتی ہے‘ وہ بھی ہر انسان میں نہیں ہوتی۔ خال خال لوگ ہی ہیں جنہیں اللہ کی یہ نعمت حاصل ہوتی ہے۔ کم فہمی‘ عجلت پسندی‘ حقائق سے لاعلمی اور جھوٹی انا جیسے عناصر انسانی معاملات کو مزید پیچیدہ کر دیتے ہیں۔ اس دنیا میں کچھ لوگ غیر معمولی ذہانت‘ فطانت‘ عقابی نگاہ اور عبقری شخصیت کے حامل ہوتے ہیں جو ہر گزرتے ہوئے لمحے کو اپنی مٹھی میں قید کر لینے کی خداداد صلاحیت رکھتے ہیں‘ اور پھر یہی لوگ دنیا میں شہرت‘ دولت اور زندگی کی بے شمار آسائشوں سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ان کی زندگی کا محور ومرکز یہی مادی دنیا ہوتی ہے‘ اس لیے ان کی تمام بھاگ دوڑ‘ تمام سعی و جہد اسی فانی دنیا کے لیے ہوتی ہے۔ وہ اپنی کاوشوں سے شہرت وکامرانی کی بلندیوں کو چھونے لگتے ہیں۔ ان کی شخصیت لوگوں کی مرکزِ نگاہ ہوتی ہے اور وہ جو چاہتے ہیں حاصل کر لیتے ہیں۔ مادہ پرستانہ سوچ ان کے ہر عمل سے نمایاں ہوتی ہے‘ کیونکہ انہوں نے جو کچھ کیا ہوتا ہے وہ دنیا کے نفع ونقصان کو سامنے رکھ کر ہی تو کیا ہوتا ہے اور یہی قانونِ فطرت ہے کہ انسان جس کے لیے کوشش کرتا ہے‘ اسے وہی ملتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَاَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴿۳۹﴾﴾ (النجم)

”اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔“

اس کے برعکس کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کی ساری بھاگ دوڑ اور سعی و جہد‘ ہمہ وقت اور ہمہ جہت صرف ایک ہی زاویے میں ہوتی ہے کہ اس دنیا کی نعمتیں ملیں نہ ملیں‘ لیکن ان کی آخرت

* Email:raheelgoher5@gmail.com

بہتر اور نتیجہ خیز ہو جائے اور ان کا ربّ ان سے راضی ہو جائے۔ وہ ہر اس عمل سے خود کو بچاتے ہیں جس میں اللہ کے غضب کا امکان پیدا ہوتا ہو۔ ان کے نزدیک یہ دنیا برتنے کی چیز ہے' لہٰذا اسی میں کھو کر رہ جانا اور دنیا ہی کو دل میں بسا لینا ان کا مطمحِ نظر نہیں ہوتا۔ بقول اکبر الہ آبادی ؎

دنیا میں ہوں' دنیا کا طلب گار نہیں ہوں
بازار سے گزرا ہوں' خریدار نہیں ہوں!

چنانچہ جس طرح دنیا کی طلب اور اس کے لیے تگ و دو آخر کار انسان کو کم و بیش دنیا دے ہی دیتی ہے' اسی طرح انسان آخرت کی کامیابی حاصل کرنے کے لیے اپنے جسم و جان کی تمام توانائیاں کھپا دیتا ہے تو اسے آخرت کی فلاح اور ربّ تعالیٰ کی نظرِ کرم حاصل ہونے کی امید پیدا ہو جاتی ہے۔ متعدد آیاتِ قرآنی اور احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں یہ کہا جاتا ہے کہ ''ایمان والا اُمید اور خوف کے درمیان رہتا ہے۔''

انسان اپنی کوشش' ارادہ' عزمِ صمیم' اپنی خواہش اور طلب کی شدّت سے کامیاب اور فتح مند ہو جاتا ہے' اس لیے کہ حرکت میں برکت ہے اور اللہ کسی کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ارادہ و اختیار کی آزادی دے کر دنیا میں بھیجا ہے' اس کے ہاتھ پیر باندھ کر نہیں اور یہ دنیا اور اس کی مصلحتوں کا تقاضا بھی ہے۔ چنانچہ انسان کو صلہ تو مل ہی جاتا ہے' تاہم کامیابی' فتح مندی' شہرت و ناموری حاصل کرنا اور پھر اس کو اپنی زندگی میں قائم رکھنا' دو الگ پہلو ہیں۔ ایسے ہی جیسے اس دنیا اور آخرت کے قانون بالکل الگ الگ ہیں۔ پانی اپنی سطح سے باہر نکل جائے تو ہلاکت کا باعث بن جاتا ہے۔ دودھ برتن کے اندر رہے تو بہتر ہے' مگر وہ آگ کی حرارت سے اُبل کر باہر آ جائے تو وقت اور پیسہ دونوں ضائع ہو جاتے ہیں۔ ان حقائق سے لاعلم ہو کر انسان بعض اوقات اپنی کامیابی' اپنی شہرت و بلندی اور اپنے مقام و مرتبہ کے احساسِ برتری میں مبتلا ہو کر دوسرے انسانوں کو کمتر' حقیر اور بے وقعت سمجھنے لگتا ہے۔ مختلف پیرائے میں ان کی تضحیک و توہین کو اپنا مشغلہ بنا لیتا ہے' کیونکہ اس کے ذہن میں یہ جازم ہو چکا ہوتا ہے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے یہ سب اس کی محنت و ذہانت' حکمتِ عملی اور بہترین منصوبہ بندی کا نتیجہ ہے۔ یہ وہ باغیانہ افکار و نظریات ہیں جو انسان کے لیے اللہ سے دوری کا سبب بنتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کی شکر گزاری کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان کو اس کی ہدایت کے مطابق استعمال کیا جائے۔ جس عمل میں بھی اللہ کی ہدایت و اطاعت شامل نہ ہو وہ کسی اعتبار سے

بھی اس کے لیے نعمت اور فلاح کا باعث نہیں بن سکتا۔ جو چیز اپنے محل سے ہٹ جائے وہ اپنا مقام اور اپنا اثر کھو دیتی ہے۔

اسلامی تعلیمات میں سب سے اعلیٰ وصف انسان کا اخلاق ہے اور اس دائرے میں انسانوں کے تمام رویے شامل ہیں۔ انسان عظیم و اشرف مخلوق ہے بایں طور کہ یہ علم و دانش کی صلاحیت رکھتا ہے۔ انسان کو طاقت' وزن یا رنگ کی بنیاد پر دوسری مخلوقات پر فوقیت نہیں بخشی گئی' کیونکہ چیتا اس سے زیادہ طاقت اور ہاتھی اس سے زیادہ وزن رکھتا ہے۔ رنگ میں کئی جانور انسان سے زیادہ خوبصورت نظر آتے ہیں۔ غرض انسان طاقت' وزن یا صورت کا نام نہیں بلکہ اُس جوہر کا نام ہے جو خالقِ کائنات نے اس کے اندر اپنی روح میں سے پھونکا اور اس جوہر کی حیات وحی الٰہی سے ہے۔ اگر انسان کو علمِ وحی حاصل نہ ہو تو وہ انسان' انسان نہیں رہے گا' گو اس کی صورت انسان جیسی ہو۔

جب انسان فطری قوانین (natural laws) کے برخلاف کام کرتا ہے تو اس کے منفی اثرات اس کی زندگی پر ضرور پڑتے ہیں۔ انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سب کچھ ربّ کائنات کی عطا ہے۔ ایک محدود مدت تک یہ سب اس کے پاس رہتا ہے' پھر اللہ اپنی امانت واپس لے لیتا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ہماری اپنی زندگی اپنی نہیں ہے' جس کو بنانے سنوارنے میں انسان جائز و ناجائز' حق و ناحق اور ظلم و زیادتی کے رویوں سے گریز نہیں کرتے' لیکن پھر بھی یہ ہم سے چھین لی جاتی ہے۔ ہم اور ہمارے چاہنے والے روکنا چاہیں بھی تو روک نہیں سکتے۔ بالکل اسی طرح جیسے کچھ پھول شام ڈھلے اپنی پنکھڑیاں سمیٹ کر اپنی رعنائیوں کے ساتھ اپنے ہی وجود میں سما جاتے ہیں۔ ہم چاہیں بھی تو ان سمٹی ہوئی پنکھڑیوں کو پھول نہیں بنا سکتے' کیونکہ قانونِ فطرت یہی ہے۔

اس دنیا میں کتنے ہی انسان لمحہ بھر کی خوشی ڈھونڈتے ڈھونڈتے یہ دنیا ہی چھوڑ جاتے ہیں۔ اسی کا نام حیاتِ دنیوی ہے جسے انسان کو جھیلنا ہی پڑتا ہے۔ یہاں حقیقت کو فسانہ بنتے دیر نہیں لگتی۔ کوئی اپنے گھر سے تفریح منانے' مسائل اور ناخوشگواریوں کی دھول کو اپنے ذہن سے جھٹکنے' مایوسیوں اور کلفتوں کی دبیز چادر کو اپنے اوپر سے اُتار پھینکنے' رزق کی تلاش' حصولِ علم یا محض اپنے شوقِ آوارگی کی تسکین کے لیے کھلی فضاؤں اور یخ بستہ ہواؤں کا لطف لینے سفر پر نکل جاتا ہے اور اسے گمان بھی نہیں ہوتا کہ یہ اس کی زندگی کا آخری سفر ہوگا۔ روح و بدن کے ساتھ گھر

سے چلا تھا اور بے روح ہو کر خاکی جسم کے ساتھ واپس لوٹے گا۔ روح و بدن کی اس جدائی کا تسلسل ازل سے جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا کہ یہی منشاءِ الٰہی ہے جسے کوئی بدل نہیں سکتا۔

ہر انسان حالتِ سفر میں ہے‘ کسی کا سفر دو گام چلتے ہی ختم ہو جاتا ہے اور کوئی ایک طویل شاہراہ پر چلتا جاتا ہے۔ اس کے قویٰ شل ہونے لگتے ہیں‘ آرزوئیں دم توڑنے لگتی ہیں‘ جذبات کی سرد لہریں جسم میں خون منجمد کرنے لگتی ہیں‘ مگر سفر پھر بھی ختم نہیں ہوتا۔ راستے کی کٹھنائیاں سانسوں کو اتھل پتھل کر دیتی ہیں۔ چلتے چلتے وہ پاؤں آبلہ پا ہو جاتا ہے‘ مگر سفر پھر بھی جاری رہتا ہے۔ دن ہفتوں کا اور مہینے سالوں کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں۔ چلتے چلتے کوئی مڑ کر دیکھتا ہے تو دور تک ناکام تمناؤں کی گرد اُڑتی دکھائی دیتی ہے۔ اکیلے پن کا احساس روح کو چھلنی کرتا محسوس ہوتا ہے۔ کچھ لوگ دنیا کی کثیر دولت سمیٹ کر بھی خود کو تہی دامن پاتے ہیں۔ دولت کے انبار گھر میں موجود ہوتے ہیں جسے دوسرے استعمال کرتے ہیں‘ یعنی ’’دکھ جھیلیں بی فاختہ اور کوّے انڈے کھائیں‘‘ کے مصداق صاحبِ ثروت کو کھانا بھی ناپ تول کر چمچوں سے کھلایا جاتا ہے۔ کچھ لوگ تنہا اپنی ذات میں انجمن ہوتے ہیں اور بعض لوگ انجمن میں تنہا اور اکیلے اکیلے۔ یہی اس زندگی کا تضاد ہے‘ لیکن یہ زندگی کبھی ختم نہیں ہوتی کیونکہ اس کا ایک سرا دنیا ہے تو دوسرا سرا آخرت!

ہر گزرنے والا دن ہمیں اپنی موت سے قریب تر کر رہا ہے‘ لیکن سوچنے کا موقع کسی کے پاس نہیں۔ ہمیں تو ہر آنے والے نئے سال کا جشن منانا یاد رہتا ہے۔ آتش بازی کے نام پر آگ اور بارود کا کھیل‘ بے ہنگم موسیقی پر تھرکتے مدہوش بدن‘ دنیا و مافیہا سے بے نیاز‘ بال کھولے بے حیائی ناچتی ہے۔ رنگ و نور کی یہ محفلیں پوری رات اپنا جوبن دکھاتی ہیں۔ یہ ہے ابنِ آدم کا طرزِ زندگی اور اس کے شب و روز کے میلے ٹھیلے! ہم اس دنیا میں کیوں آئے ہیں‘ ہماری راہ گزر کون سی ہے‘ منزل کہاں ہے‘ ہمیں کیا کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے؟ ان سوالوں کے جواب نہ کوئی جانتا ہے اور نہ جاننے کی جستجو کسی کے اندر مچلتی ہے (اِلّا ماشاء اللہ!)‘ کیونکہ علم تو خوف پیدا کرتا ہے‘ اس لیے نہ جاننا ہی بہتر ہے۔ بقول عبدالحمید عدم ؎

میں مے کدے کی راہ سے ہو کر نکل گیا!
ورنہ سفر حیات کا کافی طویل تھا

یہ زندگی جشن منانے‘ لطف و سرور کی محفلیں سجانے اور مادیت کے جال میں خود کو محصور کرنے کے لیے نہیں دی گئی ہے۔ زندگی کا مقصد اُس ذاتِ اقدس کی عبادت میں پنہاں ہے

جس نے ہمیں عدم سے وجود بخشا ہے۔ ہمارے خاکی وجود میں روحِ ربانی کا لطیف جوہر پھونکا اور ہم جیتے جاگتے انسان بن گئے۔ اس دنیائے فانی میں ہمیں خالی دامن نہیں بھیجا گیا‘ بلکہ عدم سے وجود بخشنے کے ساتھ ہی بے شمار نعمتوں سے مالا مال بھی کیا گیا۔ لیکن جیسے ہی ہم عدم سے وجود میں آئے‘ اپنا وہ عہد ہی بھول گئے جو اپنے خالق سے ہم نے کیا تھا۔ ہم سب نے اُس کے ربّ ہونے کی یک زبان ہو کر گواہی دی تھی‘ لیکن ہم یہ بھول گئے۔ اس کے باوجود وہ ربِّ ذوالجلال ہمیں نہیں بھولا۔ وہ ہمیں رزق دینے کے ساتھ ساتھ ہماری ہر ضرورت اور احتیاج کو پورا کر رہا ہے۔

جدیدیت کا تصور یہ ہے کہ انسان کسی خدا اور مذہب کا پابند نہیں ہے۔ وہ اپنی آزادی کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی زندگی جس طرح چاہے بسر کرے۔ ماضی‘ حال اور مستقبل کے آمیزے سے ایک وحدت اُبھر کر سامنے آتی ہے۔ ماضی کے بغیر حال اور حال کے بنا مستقبل کا کوئی وجود نہیں۔ مسلمانوں کا شاندار ماضی ایک تحرک ہے‘ راستے کی رکاوٹ نہیں۔ اقبال نے اُمتِ مُسلمہ کے ماضی سے متاثر ہو کر اپنی شاعری کی شمعیں فروزاں کیں۔ اسلام کے ماضی پر فکر و تدبّر کے نتیجہ میں اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کرنے کا داعیہ دل میں پیدا ہوا اور آج پورے کُرۂ ارض پر احیائی تحریکوں کی اُٹھان اسی فکر و نظر کا اعلان ہے کہ ماضی کی پختہ اینٹوں سے ہی حال کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔

فہم و فراست کا تقاضا یہ ہے کہ ہمیں انفرادی اور اجتماعی سطح پر اپنے ماضی کا احتساب کرنا چاہیے کہ ماضی میں کیا کھویا اور کیا پایا‘ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں کہاں کہاں کوتاہیاں ہوئیں‘ کس پر ظلم و زیادتی کی‘ اپنے طرزِ عمل سے لوگوں کو دین سے قریب کیا یا انہیں دین سے دور ہونے کی راہ سجھائی! آج ہم اس دنیا کے رنگ و بو میں ایسے مست رہتے ہیں کہ آگے پیچھے‘ دائیں بائیں کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ ہم شیطان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلیوں کی مانند ناچ رہے ہوتے ہیں‘ جس کے نتیجے میں مصائب‘ ناگہانی آفتیں‘ عجیب طرح کی بیماریاں‘ فرسٹریشن‘ شکوک و اوہام اور بے سکونی ہمارے گھروں میں ڈیرے ڈال لیتی ہے۔

دنیا کا اصل لطف اپنے خالق کی بندگی‘ عاجزی‘ فروتنی‘ پاکیزگی اور شرم و حیا کے احساس کے ساتھ زندگی گزارنے میں ہے۔ دوسروں کے لیے زندہ رہنے والا انسان کبھی نہیں مرتا۔ وہ زندہ رہتا ہے لوگوں کے دلوں میں‘ ان کی یادوں میں‘ ان کی خلوت و جلوت میں اور تاریخ کے

اوراق میں۔ کاش اس دنیا میں ہی ہمیں یہ بات سمجھ میں آجائے اور ہمیں اپنی ذات کی صحیح معرفت حاصل ہو جائے۔ یہی اللہ کی معرفت تک لے جانے والا راستہ ہے اور ہمارے آنے والے کل کے لیے یہی ہماری نجات کا باعث بن سکتا ہے۔ اس کی کامیابی کے لیے ہمارا حسنِ عمل، خشیتِ الٰہی، ظاہر و باطن کی نفاست اور اپنے اللہ سے گڑگڑا کر مانگی ہوئی دعا بہترین وسیلہ ہے۔

یہ ایک سجدہ جسے تُو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات!

مرفہ الحال لوگوں کا مصیبت کے مارے انسانوں کی بے بسی اور ناگفتہ بہ حالت سے چشم پوشی اختیار کرنا، اپنے ہی عیش وعشرت اور طاؤس ورباب میں مدہوش رہنا، معاشرے کے محروم طبقے میں تعصب، انتقام اور ظلم کی روش کو جنم دیتا ہے۔ اور یہ طرزِ عمل دنیا میں تباہی و بربادی، خون ریزی، دہشت گردی، لوٹ مار، چھینا جھپٹی اور حیوانیت کی راہیں ہموار کرتا ہے۔ یہ وہ حقائق ہیں جنہیں ہر باشعور انسان خوب جانتا ہے، کیونکہ وہ خود بھی اسی ماحول میں زندگی گزار رہا ہے—— جو لوگ اس وقت دُنیا کی باگ ڈور تھامے ہوئے ہیں وہ کٹھور دل، سفاک اور مال و دولت کے پجاری ہیں، انہیں عوام صرف اس وقت یاد آتے ہیں جب ووٹ کی ضرورت ہوتی ہے اور جب وہ اپنی منزل پر پہنچ جاتے ہیں تو ان کو یاد ہی نہیں رہتا کہ کن لوگوں کے کندھوں پر سوار ہو کر مسندِ اقتدار تک پہنچے ہیں۔

یہ بے حسی ہمارے حکمرانوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ ان کے دورِ اقتدار میں کوئی خودکشی کر کے مر جائے یا غربت اور مفلسی سے تنگ آ کر اپنے معصوم بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دے، ان کو اس سے نہ کوئی غرض ہوتی ہے اور نہ اس پر کوئی افسوس! ہم بحیثیت اُمتِ مُسلمہ وہ خوش نصیب اور بخت آور لوگ ہیں جن کے پاس ربّ کائنات کی طرف سے انسان کی فوز وفلاح اور اطمینانِ قلب کے لیے ایک مکمل ضابطۂ حیات موجود ہے۔ پھر ہمیں کسی خوف اور غم کے سمندر میں ڈوبنے کی کیا ضرورت ہے؟

یہ حقیقت ہے کہ ہر انسان کی اپنی ایک مخصوص فطرت (nature) ہے جس پر انسان کے ذہن میں پرورش پانے والے ہر تصور کی بنیاد ہے۔ یہ وصف ہر انسان میں بالقُوّہ (potentially) موجود ہے۔ مطلب یہ کہ ہر فرد انسان کے کُلّی تصوّر یعنی تصورِ انسان کی ایک مخصوص مثال ہے۔ انسان پہلے وجود میں آتا ہے، اپنی ذات کا سامنا کرتا ہے، کا غذات میں اُبھرتا ہے اور پھر کہیں اپنے تصوّر کی تشکیل کر پاتا ہے۔

انسان صرف اس وقت وجود سے مشرف ہوتا ہے جب وہ کچھ ہو اور مزید کچھ کر کے وہ خود کو بنانا چاہتا ہو۔ محض کچھ ہونے کی آرزو اس کا وجود نہیں۔ آرزو یا ارادے سے ہماری مراد شعوری طور پر کچھ فیصلہ کرنا ہے۔ ایسا فیصلہ جو اکثر و بیشتر ہم اپنے آپ کو بنالینے کے بعد کرتے ہیں۔ کوئی شے ہمارے لیے اس وقت تک بہتر نہیں ہو سکتی جب تک تمام نوعِ انسان کی اس میں بہتری نہ ہو۔ اس حقیقت کا ادراک ہی ہمارے نفس کا اصل جوہر ہے اور اگر یہ نہ ہو تو انسان اینٹ اور پتھر سے زیادہ وقعت دیے جانے کے قابل نہیں۔

انسان کا طرزِ عمل دراصل اس کی فکر اور سوچ کا عکس ہوتا ہے۔ انسان کے کردار پر اس کی سوچ کا گہرا اثر پڑتا ہے۔ جس طرح کے عقائد و نظریات ہوں گے، اعمال بھی اسی کے مطابق ہوں گے۔ گویا انسان کا نظریۂ زندگی ہی اس کے تمام اعمال و افعال پر حکمرانی کرتا ہے۔ بعض لوگ اپنے غیر مناسب طرزِ عمل اور غیر اخلاقی رویّوں سے زندگی کی ڈور کو سلجھانے کے بجائے کچھ اور اُلجھا دیتے ہیں، کیونکہ سرا گم ہو جائے تو ڈور میں اُلجھاوا بڑھتا ہی جاتا ہے۔ شعور و ادراک ہی انسان کی وہ قیمتی متاع ہے جو زندگی کی ہر راہ کو ہموار کر دیتے ہیں۔ اُلجھنیں تو آتی رہتی ہیں، حالات و معاملات میں گرہیں پڑتی رہتی ہیں، مگر فہم و فراست کے حامل انسان کی ایک چٹکی ان تمام گرہوں کو اس طرح کھول دیتی ہے جیسے طلوعِ سحر کے وقت شاخوں میں لگی کلیاں انگڑائیاں لے کر خوشنما اور دیدہ زیب پھول بن جاتی ہیں۔

ایک کامیاب، بھرپور اور جوہرِ انسانیت سے معمور زندگی سات پردوں میں چھپی کوئی شے نہیں ہے، بلکہ ہر فرد کو اپنے فکر و عمل، اپنی غیر فطری (unnatural) نفسیات اور زیغ و ضلال (deception) سے دھندلائے ہوئے آئینہ کی گرد صاف کرنے کی ضرورت ہے۔ ایسا کرنے سے انسانیت کا بے داغ اور منور چہرہ نکھر کر سامنے آ جائے گا اور پھر زندگی کی ہر اُلجھی ہوئی ڈور سلجھتی چلی جائے گی۔ آگہی کا نور دل کے بند دریچوں کو کھول دے گا اور حیرت و استعجاب کے دبیز پردے یوں اُٹھتے چلے جائیں گے جیسے چاند کے اوپر آئے گہرے بادل دھیرے دھیرے سرکتے جاتے ہیں اور چاند کی نرم و گداز کرنیں آسمان کی وسعتوں میں چہار سو اپنی پوری تابناکیوں کے ساتھ بکھر جاتی ہیں۔

❀❀❀

خطبۂ نکاح کا پیغام

مولانا عبدالمتین٭

الحمدللہ ہمارے ہاں نکاح کی مجالس میں خطبہ نکاح پڑھنے کی سُنّت ادا ہوتی ہے‘ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ خطبے میں کیا کہا جارہا ہے اس کا حاضرین کو بالکل بھی پتہ نہیں ہوتا‘ حالانکہ اس کا سمجھنا خود عائلی زندگی کے لیے ایک بہت بڑا پیغام رکھتا ہے۔

خطبۂ نکاح کا حکم

خطبہ نکاح کا مجلس میں پڑھنا سُنّت عمل ہے اور خطبے کا سننا واجب ہے‘ اسی لیے اس دوران بات چیت کرنا یا شور مچانا انتہائی بے ادبی کی بات ہے۔

خطبۂ نکاح کی تاریخ

خطبۂ نکاح کی تاریخ نہایت دلچسپ ہے۔ اہلِ عرب کے ہاں بھی نکاح سے پہلے خطبہ پڑھا جاتا تھا لیکن اس میں وہ اپنے خاندان‘ قبیلہ اور آباء واَجداد کے مناقب بیان کیا کرتے تھے۔ لیکن جب نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت ہوئی تو آپ نے دیگر امور کی طرح خطبۂ نکاح کے مندرجات کو بھی تبدیل فرمادیا اور اس میں حمد باری تعالیٰ‘ شہادتِ توحید و رسالت اور قرآن کریم کی منتخب آیات و روایات کا ایسا حسین مجموعہ جمع فرمایا کہ یہ خطبہ زوجین اور فریقین کے لیے عائلی زندگی کے لیے ایک خوب صورت پیغام بن گیا جس میں گراں قدر ہدایات موجود ہیں۔

مضمون کا مقصد

عام طور پر ہمارے ہاں جو خطبہ پڑھا جاتا ہے اس کا ترجمہ اور مختصر سی تشریح پیش خدمت ہے‘ تاکہ اس خطبے کو سننے سمجھنے کا رواج پیدا ہو اور عام لوگ اس حوالے سے سنجیدگی کا مظاہرہ کرسکیں۔

٭ مدیر مدرسہ دارارقم ‘لیاری‘ کراچی

خطبۂ نکاح

خطبہ مسنونہ میں سب سے پہلے اللہ ربّ العزت کی تعریف اور شہادتِ توحید و رسالت کا بیان ان الفاظ میں ہوتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ (سنن الترمذی)

’’تمام تر حمد وثنا اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے جس کی ہم تعریف بیان کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں اور اسی سے معافی مانگتے ہیں اور اسی پر یقین رکھتے ہیں اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں‘ اور ہم پناہ مانگتے ہیں اللہ کی اپنی ذات کے شر سے اور اپنے برے اعمال کے شر سے۔ جسے اللہ ہدایت دینا چاہے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے اللہ گمراہ کرنا چاہے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں‘ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی بھی شریک نہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارے سردار اور ہمارے مولا محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کے خاص بندے اور پیغمبر ہیں۔‘‘

مسلمان کی نظریاتی اساس

خطبے کے اس حصے میں اس سبق کو دہرایا جاتا ہے کہ ہم بحیثیت مسلمان نظریاتی طور پر دو چیزوں کو سب سے پہلا درجہ دیتے ہیں: (۱) توحید۔ (۲) رسالت۔ توحید یعنی ہم اللہ کو ایک مانتے ہیں اور تمام قسم کی تعریف اُسی ایک ذات کے لیے ہے‘ کیونکہ وہی ذات ہے جس نے کائنات کو پیدا فرمایا‘ انسان کو پیدا فرمایا۔ زندگی اور موت‘ نفع ونقصان‘ صحت و بیماری‘ مالداری اور فقر و فاقہ‘ اولاد و نعمت‘ ہدایت و گمراہی وغیرہ سب اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور اسی لیے ہمیں یقین اور بھروسہ ہے کہ دنیا و آخرت میں ہماری بخشش اور معافی تلافی فقط وہی ذات کرسکتی ہے۔

اس کے ساتھ ہی ہماری دوسری نظریاتی اساس یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا پیغام انبیاء و رسل علیہم السلام کے ذریعے ہم تک پہنچاتا ہے اور انہی انبیاء و رُسل ؑ کے سنہری سلسلے کی آخری کڑی رسول اکرم ﷺ کی ذات مبارک ہے‘ جو سیّد البشر‘ رحمۃ للعالمین ہیں اور ختم نبوت کا تاج لے کر

آئے۔ ان سے محبت اور ان کا طریقہ پوری انسانیت کے لیے قیامت تک قابلِ عمل و ناگزیر ہے۔

شادی اور تقویٰ

اس کے بعد خطبے میں قرآن کریم کے تین مختلف مقامات سے آیاتِ قرآنیہ پڑھی جاتی ہیں اور دلچسپ بات یہ ہے کہ ان تینوں آیات میں ''تقویٰ'' کا ذکر موجود ہے۔ اس کی حکمت علماء یہ بیان فرماتے ہیں کہ تقویٰ کا مطلب اللہ کا خوف و ڈر' خشیتِ الٰہی' قیامت کے دن جواب دہی کا احساس ہے اور جب تک یہ احساس بیدار نہ ہو تب تک انسان کسی رشتے کو نبھا نہیں سکتا۔ میاں بیوی ایک طویل عرصہ ساتھ رہنے کا عہد کرتے ہیں اور اس عرصے میں مزاج کی تلخی عین ممکن ہے' اس تلخی کے ساتھ ساری زندگی ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنا تب ہی ممکن ہے جب اللہ ربّ العزت کی نگرانی اور جواب دہی کا احساس پیدا ہو جائے۔ اسی صورت میں ہر قدم پھونک پھونک کر رکھا جائے گا کہ میرے کسی رویے سے وہ عظیم ذات جو مجھے ہر آن' ہر لمحہ دیکھ رہی ہے کہیں میری گرفت نہ کر دے اور اس احساس کے پیشِ نظر ہی زوجین ایک دوسرے کے جانی و مالی حقوق کا خیال رکھ سکتے ہیں۔ اور اگر یہ نہ رہے تو کوئی بھی خاندان کا سربراہ' انجمن' پنچایت' کورٹ کچہری وغیرہ ان کو مکمل پابند نہیں کر سکتے۔

خاتمہ بالخیر کی فکر اور طریقہ

سب سے پہلی آیت میں ارشاد فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝۱۰۲﴾ (آل عمران)

''اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا اُس کے تقویٰ کا حق ہے اور ضرور تمہیں موت صرف اسلام کی حالت میں آئے۔''

آیت کے آخر میں فرمایا کہ تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر اسلام کی حالت میں' یعنی اپنے خاتمہ بالخیر کی فکر کرو۔ ایک روایت میں خاتمہ بالخیر کا طریقہ یوں سمجھایا کہ کَمَا تَعِیْشُوْنَ تَمُوْتُوْنَ وَکَمَا تَمُوْتُوْنَ تُبْعَثُوْنَ وَ کَمَا تُبْعَثُوْنَ تُحْشَرُوْنَ (روح البیان) ''جیسے تم زندگی گزارتے ہو ویسے تمہیں موت آئے گی اور جیسے تمہیں موت آئے گی' ویسے ہی تمہیں اٹھایا جائے گا اور تمہارا حشر ہو گا۔''

یعنی خاتمہ کا دارومدار سارے کا سارا آج کے عمل پر ہے۔ اگر کسی کا حال درست ہے تو خاتمہ بالخیر کا مستقبل بھی درست رہے گا اور اس سے آگے کی منزل بھی پار لگ جائے گی' لیکن آج متاثر ہے تو ہر طرح کا مستقبل خطرے میں ہے۔ اشارہ اس طرف بھی ہو سکتا ہے کہ زوجین اپنے حالیہ رویے پر خصوصی نظر رکھیں اور مادی مستقبل کی جستجو کے علاوہ اپنے ایمانی مستقبل کے لیے بھی بھرپور جدّوجُہد کریں۔

تخلیقِ انسانی کا تسلسل

دوسری آیت میں فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا ۝۱﴾ (النساء)

''لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا' اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت پھیلا دیے۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حقوق مانگتے ہو' اور رشتہ داریوں (کی حق تلفی) سے ڈرو۔ بے شک اللہ ہر وقت تمہاری نگرانی کر رہا ہے۔''

اس آیتِ مبارکہ میں پوری انسانیت کو مخاطب کر کے ان کی تخلیق کا نقطہ آغاز بیان فرما دیا کہ تمہیں آدم علیہ السلام جو کہ پہلے انسان اور پہلے پیغمبر ہیں ان سے پیدا فرمایا اور وہ تمہارے آباء واَجداد میں اوّل کا درجہ رکھتے ہیں اور ان ہی سے تمہاری اوّل ماں بی بی حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا اور پھر یہ سلسلہ چلتے چلتے پوری انسانیت کی تخلیق کا ذریعہ بنا۔ گویا سمجھا دیا کہ تم اس سرزمین میں کیسے آئے اور کہاں سے آئے۔ ساتھ میں اشارہ فرما دیا کہ اب تم نکاح کے ذریعے اسی سلسلے کا حصہ بننے جا رہے ہو۔

رشتہ داروں کا مقام

اس کے ساتھ رشتے داروں کا خاص طور پر ذکر فرمایا کہ ان کے حقوق کے معاملے میں اللہ سے خاص طور پر ڈرو' کیونکہ اب تم بھی ان رشتوں کا حصہ بن چکے ہو' ایک فرد سے جوڑے اور جوڑے سے ایک خاندان کا حصہ بننے جا رہے ہو اور خاندان میں تم اور تمہارے والدین' بیوی

بچوں کے علاوہ بھی ایک خوب صورت رشتوں کا گلدستہ موجود ہے۔ ان کے حقوق کی خصوصی رعایت کرنا‘ خودغرضی کا شکار مت ہوجانا‘ ان کے ساتھ اپنے رویے درست کرلینا۔

سچائی کا رشتہ

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝٧٠ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝٧١﴾ (الاحزاب)

”اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سیدھی بات کہا کرو۔ اللہ تمہارے اعمال تمہارے لیے سنوار دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے اس نے بڑی کامیابی پائی۔“

اس آیت میں فرمایا کہ سیدھی سچی کھری اور دوٹوک بات کرنے کی عادت پیدا کرو۔ انسان زندگی میں بہت سے معاملات اور لین دین کرتا رہتا ہے لیکن نکاح کا معاملہ چونکہ ساری زندگی ساتھ رہے گا اس لیے اپنی زبان کی خبر گیری کا خاص طور پر خیال رکھنے کا حکم ہورہا ہے کہ اگر تم نے زبان کا ٹھیک استعمال کیا تو یہ رشتہ ایک خوب صورت تعلق میں بدل جائے گا اور اگر تم نے زبان کو قابو میں نہ رکھا تو پھر یہ رشتہ خطرے میں پڑ سکتا ہے۔

نکاح کی عالی نسبت

اس کے ساتھ ہی جو روایات عام طور پر خطبے میں پڑھی جاتی ہیں ان میں سب سے پہلی اور معروف روایت یہ ہے:

((اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ)) (سنن ابن ماجه)

”نکاح میرا طریقہ ہے۔“

((فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ)) (صحيح البخاری)

”جس نے میرے طریقے کو نظر انداز کیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ نکاح کوئی معمولی عمل نہیں بلکہ یہ میرا طریقہ ہے اور آپؐ کا اتنا کہنا ہی اس عمل کے ضروری اور اہم ہونے کے لیے کافی ہے‘ کیونکہ ہمارا ایمان ہے کہ جو آپؐ کا طریقہ ہے وہ یقیناً کامیابی کا طریقہ ہے۔

اُمّت کے نوجوانوں کو حکم

دوسری روایت میں فرمایا:

((يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ، مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ، فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ)) (مسلم)

”اے جوانوں کی جماعت! تم میں سے جو شادی کرنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ شادی کر لے‘ یہ نگاہوں کو جھکانے اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے میں (دوسری چیزوں کی نسبت) بڑھ کر ہے۔ اور جو استطاعت نہ پائے‘ وہ خود پر روزے کو لازم کرلے‘ یہ اس کے لیے اس کی خواہش کو قطع کرنے والا ہے۔“

اس روایت میں آپ ﷺ کا مخاطب اُمّت کا نوجوان طبقہ ہے‘ جس سے یہ بات واضح ہوئی کہ نکاح بھرپور جوانی میں ہونا چاہیے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اے نوجوانو! اگر مالی پوزیشن ضرورت کی حد تک درست ہے تو ضرور نکاح کرو‘ اس سے تمہیں دو فائدے حاصل ہوں گے: (۱) نگاہ کی حفاظت۔ (۲) شرم گاہ کی حفاظت۔

نکاح کے فوائد

نکاح کے فوائد میں رسول اللہ ﷺ نے نکاح کا مقصد بھی ذکر فرمادیا۔ چونکہ نوجوان اپنے شباب اور جذبات میں جی رہا ہوتا ہے اور اس کے پاس خدا کی دی ہوئی صحت کی نعمت اپنے جوبن پر ہوتی ہے تو فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ تم اس نعمت کا کہیں غلط استعمال کر بیٹھو اور اپنی صحت اور جوانی کو نقصان پہنچادو۔ تمہارے اردگرد فحاشی کے مناظر‘ خواتین کا جال‘ موبائل کی سہولت‘ یہ سب تمہیں اپنی قوت کو غیر فطری خرچ کی دعوت دے سکتے ہیں‘ لہٰذا تمہارے لیے نکاح ضروری ہے تاکہ تمہاری قوت صحیح وقت پر صحیح جگہ لگ سکے۔

اس کے ساتھ ساتھ دو چیزوں کا خاص طور پر ذکر فرمایا: نگاہ اور شرمگاہ۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے معاون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ نگاہ کی غلطی شرمگاہ کی غلطی پر منتج ہوا کرتی ہے‘ اسی لیے آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ نوجوان کے قیمتی جذبات کو ضائع کرنے کی راہ یہیں سے

کھلتی ہے۔ جب نکاح نہ ہو تو یہ دونوں سرپھرے آوارہ بن جاتے ہیں اور جب نکاح ہو جائے تو ان کی نگرانی آسان ہو جاتی ہے۔

رشتہ کا انتخاب

تیسری روایت میں فرمایا کہ

((إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوهُ، إِلَّا تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيضٌ)) (سنن الترمذی)

’’جب تمہیں کوئی ایسا شخص شادی کا پیغام دے‘ جس کی دین داری اور اخلاق سے تمہیں اطمینان ہو تو اس سے شادی کر دو۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور فسادِ عظیم برپا ہوگا۔‘‘

رشتہ کرنے کا ایک سنہری اصول بیان فرمایا کہ جب رشتہ کرو تو دو چیزیں خاص طور پر پرکھ لیا کرو: (۱) دین داری (۲) اخلاق۔ جس مرد میں یہ دو جوہر پائے جائیں تو رنگ و نسل‘ شکل و صورت‘ مال و متاع کے جھنجھٹ میں نہ پڑو‘ بلکہ اللہ کا نام لے کر ہاں کر دو‘ کیونکہ دین داری ہوگی تو ایسا شخص ایمان‘ صوم و صلوٰۃ‘ رویہ وسلوک‘ لین دین اور حقوق کا خیال رکھنے والا ہوگا اور ایسا رشتہ ملنا ایک غنیمت ہے۔ ساتھ میں تنبیہ فرمائی کہ ایسا رشتہ کسی مادی سبب کی وجہ سے اگر ٹھکرا دیا گیا تو معاشرہ فساد سے دوچار ہو جائے گا۔

دیندار خاتون

چوتھی روایت میں ذکر فرمایا کہ

((تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ: لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَجَمَالِهَا وَلِدِينِهَا، فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ)) (صحیح البخاری)

’’عورت سے نکاح چار چیزوں کی بنیاد پر کیا جاتا ہے: اس کے مال کی وجہ سے‘ اُس کے خاندانی شرف کی وجہ سے‘ اُس کی خوبصورتی کی وجہ سے اور اس کے دین کی وجہ سے‘ اور تم دیندار عورت سے نکاح کر کے کامیابی حاصل کرو‘ اگر ایسا نہ کرو گے تو تمہارے ہاتھوں کو مٹی لگے گی (یعنی انجام کار تمہیں ندامت ہوگی)۔‘‘

فرمایا کہ عام طور پر لڑکی کے انتخاب میں حسن و جمال‘ مال و دولت اور خاندانی وجاہت کو

دیکھا جاتا ہے‘ جبکہ اصل چیز دین داری ہے‘ کیونکہ باقی ساری چیزیں فانی ہیں اور زندگی کا سکون حاصل کرنے میں مددگار نہیں ہیں‘ جبکہ دین داری اصل ہے اور زندگی بھر کا سکون دینی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی صورت ہی میں ممکن ہے۔ ایک دوسری روایت میں عورتوں کی دین داری کا مختصر اور خوب صورت نقشہ پیش کر دیا۔ فرماتے ہیں:

((الْمَرْأَةُ إِذَا صَلَّتْ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَأَحْصَنَتْ فَرْجَهَا وَأَطَاعَتْ بَعْلَهَا فَلْتَدْخُلْ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ)) (رَوَاهُ أَبُو نعيم فِي الْحِلْيَة)

’’جب عورت اپنی پانچ وقت کی نماز پڑھ لے‘ اپنے ماہ (رمضان) کے روزہ رکھ لے‘ اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرلے‘ اور اپنے شوہر کی اطاعت کرلے تو اس سے کہا جائے گا کہ جنت کے جس دروازے سے داخل ہونا چاہے‘ داخل ہو جائے۔‘‘ ❁❁❁

بقیہ: بیان القرآن

﴿وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ۝۲۸﴾ ’’اور ان ظالموں کے لیے تُو اب کسی چیز میں اضافہ مت کر سوائے تباہی اور بربادی کے۔‘‘

سورۃ المعارج اور سورۂ نوح کے مطالعے کے بعد یہ نکتہ بھی اچھی طرح سے سمجھ لیجیے کہ اگر ’’نظمِ قرآن‘‘ کو مدّنظر رکھتے ہوئے ان دونوں سورتوں کا مطالعہ جوڑے کی حیثیت سے کیا جائے تو نہ صرف سورۃ المعارج کی پہلی آیت کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے‘ بلکہ سورۂ نوح کے نزول کا سبب اور حضرت نوح علیہ السلام کی مذکورہ دعا کا جواز بھی سمجھ میں آ جاتا ہے۔ بہرحال اس پہلو سے ان دونوں سورتوں پر غور کرنے سے یہ نکتہ خود بخود واضح ہو جاتا ہے کہ سورۃ المعارج کی ابتدائی آیت خود حضور ﷺ ہی سے متعلق ہے اور یہ بھی کہ سورۃ المعارج کی آیت ۵ میں آپ ﷺ کو ﴿فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ۝۵﴾ کی تلقین بھی اسی حوالے سے کی گئی‘ بلکہ اس کے بعد ایک پوری سورت (سورۂ نوح) نازل کر کے آپ ﷺ کی تسلی کے لیے حضرت نوح علیہ السلام کے حالات و مصائب کا نقشہ بھی دکھا دیا گیا کہ آپؐ کی دعوتی مہم کو شروع ہوئے تو ابھی چار پانچ سال ہی ہوئے ہیں‘ آپؐ ہمارے اس بندے کی ہمت اور استقامت کو بھی مدّنظر رکھیں جو ایسے مشکل حالات کا سامنا ساڑھے نو سو سال تک کرتا رہا۔ ❁❁❁

اَخلاقِ حسنہ کی اہمیت

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

انسان اللہ تعالیٰ کی شاہکار تخلیق اور اشرف المخلوق ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اپنے رتبے کو پہچانتے ہوئے انسان اچھے کام کرے اور اپنے آپ کو شریف النفس ثابت کرے۔ مگر شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے اور وہ اُسے ایسے کاموں کی ترغیب دیتا ہے جو اس کے لیے نامناسب ہوتے ہیں۔ شیطان کی اکساہٹ کے نتیجے میں انسان ایسے کام کر گزرتا ہے جو اس کی شرافت کے خلاف ہوتے ہیں۔ اگر انسان بُرے اعمال و افکار سے اجتناب کرے اور وہی کام کرے جو انسانیت کو زیب دیتے ہیں تو وہ واقعی اشرف المخلوق ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اچھے اور بُرے کاموں کی نہ صرف نشان دہی کی بلکہ ان پر عمل کر کے بھی دکھایا۔ قرآن مجید میں آپ ﷺ کی اس شان کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝۴﴾ (القلم)

''یقیناً آپؐ بڑے اعلیٰ اخلاق پر ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ بھی چونکہ انسان تھے لہٰذا لوگوں کو تعلیم دی گئی کہ وہ زندگی گزارنے کا وہی طریقہ اختیار کریں جو رسول اللہ ﷺ نے اپنایا۔ آپؐ کی زندگی دوسرے انسانوں کے لیے مثالی ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب: ۲۱) ''بے شک رسول اللہ (ﷺ) کی زندگی میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔'' چنانچہ تمام پسندیدہ اطوار و افکار اور اعمال و افعال آپؐ کی سیرت میں موجود ہیں تاکہ دوسرے لوگ جان لیں کہ یہ اعمال ایسے نہیں کہ ان کا اختیار کرنا مشکل یا ناممکن ہو۔ اسلام اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے' جس میں سارے احکام انسانی فطرت کے لیے آسان ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرۃ: ۱۸۵) ''اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے اور وہ تمہارے لیے تنگی نہیں چاہتا۔'' چنانچہ بندہ اللہ کے بتائے ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے اپنائے ہوئے کام چھوڑتا ہے تو وہ شیطان کے وساوس کا شکار ہو جاتا ہے اور ایسے کام کرتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ ایسے تمام کام برے اخلاق کہلاتے ہیں' جبکہ جو کام اللہ تعالیٰ نے کرنے کو کہا ہے وہ اخلاقِ حسنہ ہیں۔ اخلاقِ حسنہ میں سے چند یہ ہیں: سچ بولنا' وعدہ پورا کرنا' عدل و انصاف سے کام لینا' دوسروں کے کام آنا' صبر و تحمل سے کام کرنا۔ اس کے برخلاف جھوٹ بولنا' دھوکہ دینا' دوسروں کو دکھ دینا' خواہش نفس کے تحت دوسروں کے حقوق تلف کرنا' قتل کرنا برے اخلاق ہیں۔

اَخلاقِ حسنہ کو اپنانا اس قدر ضروری ہے کہ جب آنے والی زندگی (روزِ محشر) میں دنیا میں کیے گئے اعمال کا وزن کیا جائے گا تو اخلاقِ حسنہ کا وزن سب سے بھاری ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَا مِنْ شَيْءٍ فِي الْمِيْزَانِ اَثْقَلُ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ)) (رواہ احمد وابوداؤد) ''میزان میں اچھے اخلاق سے زیادہ کوئی چیز بھاری نہیں ہوگی۔'' اگر اچھے اخلاق کو اجمالی طور پر بیان کیا جائے تو انسان کا وہ رویّہ جس سے دوسروں کے لیے مفید کام کیے جائیں' دوسروں کے کام آیا جائے اور کسی کے لیے تکلیف کا باعث نہ بنا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ)) (متفق علیه)

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔''

دوسروں کے لیے تکلیف و اذیت کا باعث ہونا سخت گناہ کا کام ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ۝۱۹﴾ (الفرقان)

''جو کوئی تم میں سے کسی پر زیادتی کرے ہم اس کو بڑے عذاب کا ذائقہ چکھائیں گے۔''

مسلمان کی تو امتیازی خصوصیت ہی یہ ہے کہ وہ دوسروں کے کام آنے والا' خیر خواہ اور ہمدرد ہو۔ دوسروں کے غم کو اپنا غم اور ان کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھے۔ وہ ہر وقت ضرورت مندوں کی ضرورت کو پورا کرنے کی خواہش رکھتا ہو۔ انسانوں کی تخلیق کا مقصد خالق کی عبادت ہے۔ عبادت گزار بندہ اللہ تعالیٰ کو پیارا ہے۔ انسان فضائل اخلاق کی بدولت ان لوگوں کا درجہ پالیتا ہے جو اللہ کی عبادت میں دن رات لگے ہوئے ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهٖ دَرَجَةَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ)) (رواہ ابو داود واحمد) ''مؤمن اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے روزہ رکھنے والے اور رات بھر عبادت کرنے والے کے درجہ کو

حاصل کر لیتا ہے۔‘‘

حقیقت یہ ہے کہ نیکی نام ہی اخلاقِ حسنہ کا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ)) (رواہ مسلم واحمد)

’’نیکی تو اچھے اخلاق ہی کا نام ہے۔‘‘

اخلاقِ حسنہ کا ذکر کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا، وَخِیَارُکُمْ خِیَارُکُمْ لِنِسَائِھِمْ خُلُقًا)) (رواہ ابوداؤد و احمد)

’’ایمان والوں میں کامل ایمان والے وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں، اور تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اخلاق میں اپنی عورتوں کے حق میں سب سے بہتر ہو۔‘‘

اچھے اخلاق والوں کو دار الجزاء میں رسول اللہ ﷺ کا قرب نصیب ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِنَّ مِنْ اَحَبِّکُمْ اِلَیَّ وَاَقْرَبِکُمْ مِنِّیْ مَجْلِسًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَحَاسِنُکُمْ اَخْلَاقًا)) (رواہ الترمذی) ’’بے شک مجھے تم میں سب سے زیادہ محبوب اور قیامت کے دن میرے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو تم میں اچھے اخلاق والے ہیں۔‘‘ رسول اللہ ﷺ تو اعلیٰ اخلاق سکھانے کے لیے آئے تھے۔ آپؐ نے اپنی زندگی میں اچھے اخلاق کو اجاگر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ)) (سنن کبریٰ للبیہقی)

’’میں تو اخلاقِ کریمہ کی تکمیل کے لیے ہی مبعوث ہوا ہوں۔‘‘

دو آدمیوں میں کسی چیز کے بارے میں جھگڑا ہو جاتا ہے اور اُن میں سے ایک اپنے حق سے دست بردار ہو جاتا ہے تو جھگڑا ختم کرنے کے لیے اس شخص کا ایثار اس کی طرف سے بہت بڑی نیکی سمجھی جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عن أبي أُمامة الباهلي ؓ قال قال رَسُولُ اللهِ ﷺ: ((أنا زعيمٌ ببَيْتٍ في رَبَضِ الجنةِ لِمَن تَرَكَ المِراءَ وَإِنْ كانَ مُحِقًّا، وَبِبَيْتٍ في وَسَطِ الجَنَّةِ لِمَن تَرَكَ الكَذِبَ وَإِنْ كانَ مازِحًا، وَبِبَيْتٍ في أَعْلَى الجَنَّةِ لِمَنْ حَسُنَ خُلُقُه)) (سنن أبي داؤد)

’’میں اُس شخص کے لیے جنت کے اطراف میں ایک گھر کی ذمہ داری لیتا ہوں جو حق پر

ہونے کے باوجود بھی جھگڑا چھوڑ دے، اور اس شخص کے لیے جنت کے درمیان میں ایک گھر کی ذمہ داری لیتا ہوں جو مذاق میں بھی جھوٹ نہ بولے، اور اس شخص کے لیے جنت کے بلند ترین درجہ میں ایک گھر کی ذمہ داری لیتا ہوں جو اپنے اخلاق اچھے کر لے۔‘‘

خود تکلیف اٹھا لینا اور نقصان برداشت کر لینا اور اپنے مسلمان بھائی کے حق میں ایثار کا رویّہ اپنانا بڑی فضیلت کا عمل ہے۔ آپ ﷺ اپنے خطاب میں اکثر یہ الفاظ فرمایا کرتے تھے:

((لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَۃَ لَہٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَا عَھْدَ لَہٗ)) (رواہ احمد)

’’اس شخص کا ایمان نہیں جس کے پاس امانت داری نہ ہو اور اس شخص کا دین (کامل) نہیں جس کے پاس عہد کی پاسداری نہ ہو۔‘‘

گویا عہد کی پابندی اور امانت داری ایسے اچھے اخلاق ہیں کہ گویا یہ مسلمان کی علامتیں ہیں۔

نرم رویّہ اور تواضع پسندیدہ عادات ہیں۔ ان کو اپنانا انسان کو خوش اطوار بناتا ہے جس سے اس کی عزت میں اضافہ ہوتا ہے، گناہ معاف ہوتے ہیں اور اُسے جنت کی بشارت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أَلَا أُخْبِرُكُم بِمَن يَحْرُمُ عَلَى النَّارِ، وَبِمَنْ تَحْرُمُ عَلَيْهِ النَّارُ؟ عَلَى كُلِّ قَرِيبٍ هَيِّنٍ سَهْلٍ)) (سنن الترمذي واحمد)

’’کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ وہ کون شخص ہے جو آگ پر حرام ہوگا اور جس پر آگ حرام ہوگی؟ (سنو!) دوزخ کی آگ حرام ہے ہر ایسے شخص پر جو لوگوں کے قریب رہنے والا، آسانی کرنے والا، نہایت نرم مزاج اور نرم طبیعت ہو۔‘‘

دوسروں کے لیے آسانی پیدا کرنا اور نرم رویّہ رکھنا اعلیٰ اخلاق کے مظاہر ہیں۔ بعض لوگ اس لیے بخشے جائیں گے کہ وہ اپنا حق وصول کرنے میں نرمی اختیار کرتے ہیں اور دوسروں کی ضرورت کا احساس کرتے ہیں۔ حضرت حذیفہ ؓ فرماتے ہیں کہ مَیں نے نبی کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

’’تم سے پہلے کسی اُمت میں ایک آدمی تھا۔ جب موت کا فرشتہ اس کی روح قبض کرنے آیا (اور روح قبض کرنے کے بعد وہ اس دنیا سے دوسری دنیا کی طرف منتقل ہوگیا) تو اس سے پوچھا گیا کہ تُو نے دنیا میں کوئی نیک عمل کیا تھا؟ اس نے عرض کیا میرے علم میں کوئی ایسا عمل نہیں ہے۔ اس سے کہا گیا کہ (اپنی زندگی پر) نظر ڈال

(اور غور کر کے بتا) پھر اُس نے کہا: میرے علم میں میرا کوئی ایسا عمل نہیں ہے سوائے اس کے کہ مَیں دنیا میں لوگوں کے ساتھ خرید و فروخت اور لین دین کا معاملہ کیا کرتا تھا‘ جس میں مَیں دولت مند کو مہلت دیتا تھا اور تنگ دستوں کو معاف کر دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے (فرشتے سے) فرمایا: تم اس سے درگزر کرو۔‘‘ (مسند احمد)

اسلامی اخلاق میں دوسروں کے ساتھ ہمدردی بھی قابلِ تعریف ہے۔ اگر کوئی مسلمان بیمار ہوتا ہے تو اس کی عیادت کے لیے جانا‘ اس کے ساتھ امید افزا گفتگو کرنا اور اسے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق یہ بتانا کہ یہ بیماری تمہارے گناہوں کو مٹا دے گی‘ ثواب کا باعث ہے۔ آپ ﷺ کا طریقہ تھا کہ آپؐ مریض کے پاس جاتے تو اس کی صحت کے لیے دعا فرماتے۔

عن سعد بن ابی وقاص رضی اللّٰہ عنہ، قال: عَادَنِي رَسُولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم فقال: ((اللّٰھُمَّ اشْفِ سَعْدًا، اللّٰھُمَّ اشْفِ سَعْدًا، اللّٰھُمَّ اشْفِ سَعْدًا)) (متفق علیہ)

حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ میری عیادت کے لیے تشریف لائے تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی: ’’اے اللہ! سعد کو شفا عطا فرما۔ اے اللہ! سعد کو شفا عطا فرما‘ اے اللہ! سعد کو شفا عطا فرما۔‘‘

عیادت وہ عمل ہے جس کی احادیث میں بڑی فضیلت بتائی گئی ہے۔ حضرت علی ؓ سے روایت ہے کہ مَیں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ فرما رہے تھے:

((مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَعُودُ مُسْلِماً غُدْوَةً اِلَّا صَلّٰی عَلَیْهِ سَبْعُونَ اَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰی یُمْسِيَ، وَاِنْ عَادَهٗ عَشِیَّةً اِلَّا صَلّٰی عَلَیْهِ سَبْعُونَ اَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰی یُصْبِحَ، وَكَانَ لَهٗ خَرِیفٌ فِي الْجَنَّةِ)) (رواہ ابو داؤد والترمذی وابن ماجہ واحمد)

’’کوئی مسلمان ایسا نہیں جو کسی مسلمان کی صبح کو عیادت کرتا ہے مگر یہ کہ شام ہونے تک ستر ہزار فرشتے اُس کی رحمت و مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور اگر شام کو عیادت کرتا ہے تو صبح ہونے تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں اور اس کے لیے جنت میں ایک پھلوں کا باغ مقرر کر دیا جاتا ہے۔‘‘

اسلام میں پابندی کے ساتھ نماز قائم کرنے کا حکم ہے۔ نماز کے بے شمار فضائل ہیں‘ جن میں سے ایک یہ ہے کہ یہ فضائل اخلاق کا باعث ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ﴾ (العنکبوت:۴۵) ’’نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے‘‘۔ یوں نماز اچھے اخلاق کی طرف راہنمائی کرتی اور نیک کاموں کی طرف راغب کرتی ہے۔

درخت لگانے کی ترغیب دی گئی ہے جس کے بے شمار فائدے تو معلوم ہیں مگر یہ اعلیٰ درجے کا ثواب کا کام اور اخلاقی خوبی ہے‘ کیونکہ دوسرے لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ حضرت انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِن مُسلِمٍ یَغْرِسُ غَرْسًا أو یَزْرَعُ زَرْعًا فیَأْكُلُ مِنْهُ طَیْرٌ وَلا إنسانٌ إلا كان لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ)) (متفق علیہ)

’’جو کوئی مسلمان درخت لگاتا ہے یا کھیتی اگاتا ہے اور اس سے کوئی انسان یا جانور کھاتا ہے تو وہ اگانے والے کی طرف سے صدقہ ہے۔‘‘

اور مسلم کی ایک روایت میں حضرت جابر ؓ سے منقول یہ الفاظ بھی ہیں کہ ’’اور اُس میں سے جو کچھ چوری ہو جاتا ہے وہ بھی مالک کے لیے صدقہ ہے۔‘‘

یہ ایک اخلاقی خوبی ہے کہ انسان دوسروں کی تکلیف کا احساس کرے‘ ضرورت مند کو قرض دے تاکہ اس کی ضرورت پوری ہو۔ مقروض کو قرض کی ادائیگی میں مہلت دینا اس سے بڑی نیکی ہے۔ مقروض فکرمند ہوتا ہے کہ کب اس کا قرض ادا ہو اور وہ سکھ محسوس کرے۔ چنانچہ مقروض کا قرض ادا کرنا یا قرض کی ادائیگی میں مہلت دینا اخلاقی خوبی ہے۔ حضرت ابوالیسر ؓ سے روایت ہے کہ مَیں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا‘ آپؐ ارشاد فرماتے تھے:

((مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا، اَوْوَضَعَ لَه ، اَظَلَّهُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِهٖ یَوْمَ لَاظِلَّ الا ظِلُّه)) (رواہ الترمذی و احمد)

’’جو بندہ کسی غریب تنگ دست کو مہلت دے یا قرض معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس دن اپنے سایہ (رحمت) میں جگہ عطا فرمائیں گے‘ جس دن اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔‘‘

حضرت بریدہ بن الحصیب اسلمی ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَن أَنْظَرَ مُعْسِرًا كَانَ لَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ)) (ابن ماجه)

’’جس آدمی کا کسی دوسرے بھائی پر کوئی حق (قرض وغیرہ) واجب الادا ہو اور وہ اس مقروض کو ادا کرنے کے لیے دیر تک مہلت دے دے تو اُس کو ہر دن کے عوض اُس کے برابر صدقہ کا ثواب ملے گا۔‘‘

یوں ضرورت مند کو قرض دینا صدقہ اور خیرات سے بھی بہتر ہے۔ وجہ یہ ہے کہ قرض دار کو دیر تک انتظار کی زحمت گوارا کرنا پڑتی ہے جبکہ خیرات دینے والا بس ایک ہی دفعہ رقم خیرات کر کے فارغ ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ ہمیشہ سچ بولنے کی تلقین کرتے۔ آپؐ فرماتے تھے کہ جھوٹی بات کہنا مسلمان کے شایانِ شان نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((يُطْبَعُ الْمُؤْمِنُ عَلَى الْخِلَالِ كُلِّهَا إِلَّا الْخِيَانَةَ وَالْكَذِبَ))

’’مومن کی طبیعت اور فطرت میں ہر خصلت کی گنجائش ہے سوائے خیانت اور جھوٹ کے۔‘‘ (رواہ احمد)

سچ بولنے کی تاکید اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ ، فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ ، وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ صِدِّيقًا، وَإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ، فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ، وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ كَذَّابًا)) (رواه البخاری ومسلم)

’’تم سچائی کو لازم پکڑو، اور ہمیشہ سچ ہی بولو، کیوں کہ سچ بولنا نیکی کے راستے پر ڈال دیتا ہے، اور نیکی جنت تک پہنچا دیتی ہے، اور آدمی جب ہمیشہ سچ ہی بولتا ہے اور سچائی ہی کو اختیار کر لیتا ہے تو وہ مقام صدیقیت تک پہنچ جاتا ہے، اور اللہ کے یہاں صدیقین میں لکھ لیا جاتا ہے۔ اور جھوٹ سے ہمیشہ بچتے رہو، کیوں کہ جھوٹ بولنے کی عادت آدمی کو بدکاری کے راستے پر ڈال دیتی ہے اور بدکاری اس کو دوزخ تک پہنچا دیتی ہے اور آدمی جھوٹ بولنے کا عادی ہو جاتا ہے اور جھوٹ کو اختیار کر لیتا ہے تو انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے یہاں کذاب لکھ لیا جاتا ہے۔‘‘

اسلامی تعلیمات میں جھوٹ کی مذمت میں رسول اللہ ﷺ کے کئی فرمان موجود ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ((إِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِيلًا مِنْ نَتْنِ مَا جَاءَ بِهِ)) (رواہ الترمذی) ’’جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس کے جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔‘‘

رسول اللہ ﷺ کی مبارک زندگی میں اخلاقی فضائل کی اہمیت کو واضح کرتا ہوا ایک سبق آموز واقعہ ملتا ہے۔ حضرت انس بن مالک ؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپؐ نے فرمایا: دیکھو ابھی ایک جنتی شخص آنے والا ہے۔ تھوڑی دیر میں ایک انصاریؓ صحابی جن کا نام سعد بن مالک تھا‘ تشریف لائے۔ اپنے بائیں ہاتھ میں اپنی جوتیاں لیے ہوئے تازہ وضو کر کے آ رہے تھے۔ اور داڑھی سے وضو کا پانی ٹپک رہا تھا۔ دوسرے دن بھی ایسا ہی ہوا۔ ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ نے یہی فرمایا اور وہی شخص اس طرح آئے۔ تیسرے دن بھی یہی ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ متجسس ہوئے کہ یہ انصاری صحابیؓ جنہیں آپؐ نے جنتی کہا ہے‘ کیا عمل کرتے ہیں۔ لہٰذا جب مجلس نبوی ختم ہوئی اور یہ بزرگ اٹھ کر چلے تو حضرت عبداللہ بن عمروؓ بھی ان کے پیچھے ہو لیے اور ان انصاری صحابیؓ سے کہنے لگے کہ مجھ میں اور میرے باپ میں کچھ تکرار ہو گئی ہے جس پر مَیں قسم کھا بیٹھا ہوں کہ تین دن تک اپنے گھر نہیں جاؤں گا۔ پس اگر آپ مہربانی فرما کر مجھے اجازت دیں تو میں یہ تین دن آپ کے گھر گزار لوں۔ تو سعد بن مالکؓ نے کہا کہ ہاں ٹھہر جایئے۔

چنانچہ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ تین راتیں ان کے ساتھ گزاریں۔ دیکھا کہ وہ رات کو تہجد کی لمبی نماز بھی نہیں پڑھتے۔ صرف اتنا کرتے ہیں کہ جب آنکھ کھلتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے اور اس کی بڑائی اپنے بستر پر ہی لیٹے لیٹے کر لیتے۔ یہاں تک کہ فجر کی نماز کے لیے اٹھ جاتے۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ میں نے ان کے منہ سے سوائے کلمہ خیر کے اور کچھ نہیں سنا۔ بہرحال جب تین راتیں گزر گئیں تو مجھے ان کا عمل بہت ہی ہلکا سا معلوم ہونے لگا۔ اب میں نے ان سے کہا کہ دراصل نہ تو میرے اور میرے والد کے درمیان کوئی ایسی باتیں ہوئی تھیں نہ میں نے ناراضی کے باعث گھر چھوڑا تھا‘ بلکہ واقعہ یہ ہوا کہ تین مرتبہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایک جنتی شخص آ رہا ہے اور تینوں دن آپ ہی تشریف لائے تو میں نے ارادہ کیا کہ آپؓ کی خدمت میں کچھ دن رہ کر دیکھوں تو سہی کہ آپ ایسی کون سی عبادات

کرتے ہیں کہ جیتے جی بزبانِ رسول ﷺ آپؐ کے جنتی ہونے کی یقینی خبر ہم تک پہنچ گئی۔ چنانچہ میں نے یہ بہانہ بنایا اور تین رات تک آپؐ کی خدمت میں رہا تاکہ آپؐ کے اعمال دیکھ کر میں بھی ویسے ہی عمل شروع کر دوں‘ لیکن میں نے آپ کو نہ تو کوئی نیا عمل کرتے ہوئے دیکھا نہ ہی عبادت میں اوروں سے بڑھا ہوا دیکھا۔ اب میں جا رہا ہوں‘ لیکن ایک سوال ہے کہ آپ ہی بتایئے آخر وہ کون سا عمل ہے جس نے آپ کو پیغمبر خدا ﷺ کی زبانی جنتی بتا دیا؟ انہوں نے کہا بس تم میرے اعمال کو دیکھ چکے۔ ان کے سوا اور کوئی خاص پوشیدہ عمل تو ہے نہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ ان سے رخصت ہو کر چل دیے۔ تھوڑی ہی دور نکلے تھے کہ انہوں نے آواز دی اور فرمایا: ہاں! میرا ایک عمل سنتے جاؤ۔ وہ یہ کہ میرے دل میں کبھی کسی مسلمان سے کینہ‘ حسد اور بغض کا ارادہ نہیں ہوا‘ میں کبھی کسی مسلمان کا بدخواہ نہیں بنا۔ حضرت عبداللہ نے یہ سن کر فرمایا کہ بس اب معلوم ہو گیا۔ اسی عمل نے آپ کو اس درجہ تک پہنچایا ہے۔ (مسند احمد)

اخلاقی خوبیوں میں ایک اہم صفت عفو و درگزر ہے۔ خطاکار کو معاف کر دینا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ اگرچہ نقصان پہنچانے والے سے انتقام لینے کی اجازت ہے لیکن اسے معاف کرنا اعلیٰ درجے کی نیکی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ، فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عِيَالِهٖ)) (رواہ البیھقی فی شعب الایمان) ’’ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے‘ پس اللہ کے نزدیک وہ شخص سب سے زیادہ پسندیدہ ہے جو اس کی عیال (یعنی اس کی مخلوق) کے ساتھ احسان کرے۔‘‘ مخلوق کا ہر فرد اللہ تعالیٰ کے کنبے میں شامل ہے۔ لہٰذا تمام انسانوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیے۔ جو رویہ انسان اپنے لیے پسند کرتا ہے وہی دوسروں کے لیے پسند کرے۔ بندہ چاہتا ہے کہ اُس کی خطا معاف کر دی جائے‘ چنانچہ اس کو بھی دوسروں کی خطائیں معاف کرنی چاہئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے عفو و درگزر کو قابلِ تعریف بتایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہؐ! میں اپنے خادم کا قصور کتنی مرتبہ معاف کروں؟ آپؐ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور خاموش رہے۔ اس نے پھر وہی سوال دہرایا اور کہا: یارسول اللہ ﷺ! میں اپنے خادم کو کتنی مرتبہ معاف کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’ہر روز ستر مرتبہ۔‘‘ (سنن الترمذی)

حضرت انسؓ دس سال تک رسول اللہ ﷺ کے خدمت گار رہے‘ مگر ان دس سالوں میں آپؐ نے نہ انہیں کبھی ڈانٹ پلائی اور نہ ہی سخت سست کہا‘ حالانکہ وہ نوعمر لڑکے تھے اور کام کرنے میں ان سے غلطیاں بھی ہوتی تھیں۔ حضرت انسؓ خود اعتراف کرتے ہیں کہ مدینہ میں مَیں دس سال تک رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہا‘ مَیں نوعمر لڑکا تھا‘ اس لیے میرا ہر کام رسول اللہ ﷺ کی مرضی کے بالکل مطابق نہیں ہوتا تھا۔ لیکن اس مدت میں کبھی آپؐ نے مجھے اُف تک نہیں کہا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے یہ کیوں کیا یا یہ کیوں نہیں کیا۔ (سنن ابی داؤد)

بااخلاق وہ شخص ہے جو دوسروں کو تکلیف سے بچانے میں کوشش کرے۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَرَّ رَجُلٌ بِغُصْنِ شَجَرَةٍ عَلٰى ظَهْرِ طَرِيْقٍ، فَقَالَ: وَاللّٰهِ لَاُنَحِّيَنَّ هٰذَا عَنِ الْمُسْلِمِيْنَ لَا يُؤْذِيْهِمْ ، فَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ))

’’ایک شخص کا راہ گزر میں پڑی درخت کی ایک شاخ کے پاس سے گزر ہوا۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! مَیں اسے ضرور ہٹاؤں گا تاکہ یہ مسلمانوں کو تکلیف نہ دے۔ اس نیکی کی وجہ سے وہ جنت میں داخل کر دیا گیا۔‘‘

بلاشبہ نماز‘ روزہ‘ حج‘ زکوٰۃ کی ادائیگی حد درجہ ضروری ہے‘ کیونکہ اللہ کی عبادت کرنا تو انسان کا مقصدِ تخلیق ہے‘ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۝۵۶﴾ (الذّٰریٰت) ’’اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔‘‘ اس کے علاوہ ربّ العالمین کے اوامر و نواہی پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ پھر پسندیدہ زندگی گزارنے کے لیے اخلاقی خوبیوں کو اختیار کرنا بھی اسلامی تعلیمات میں بہت اہم ہے‘ اس سے نہ صرف دنیوی زندگی امن و سکون کا باعث بنتی ہے بلکہ یہ اخروی کامیابی کا بھی باعث ہے۔ پس حسن اخلاق کی اہمیت کو ہر وقت پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت و تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

مثالی معاشرہ: قرآن کی نظر میں

محفوظ الرحمٰن قاسمی ☆

معاشرہ ایک ایسے ادارے کی مانند ہے کہ جس میں انسان صحیح تعلیمات کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ اس کا سنگِ بنیاد مرد اور عورت کا وہ تعلق ہے جس کو قرآن مجید رحمت و مودّت سے تعبیر کرتا ہے۔ انسان مدنی الطبع ہے‘ یعنی معاشرے کی تشکیل اس کی فطرت کا تقاضا ہے۔ وہ اپنے ماحول‘ اپنی خواہشات اور دیگر عوامل کی وجہ سے معاشرتی زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ وہ اپنی مختلف ضروریات اور خواہشات کی تکمیل کے لیے معاشرے کے دوسرے افراد سے مل کر مربوط کوششیں کرتا ہے۔ اس سے اُسے جو منافع حاصل ہوئے تو اُن کے نتائج میں وہ انفرادیت اور تنہائی سے گریز کرنے لگا۔ وقت کے ساتھ ساتھ انسان کی یہ معاشرتی و سماجی تنظیم ترقی کرتی گئی اور اس کے نتیجہ میں دنیا اخوت‘ مساوات‘ قومیت‘ بین الاقوامیت‘ ہمدردی‘ اخلاص و محبت وغیرہ صفات سے متعارف ہوئی۔ ازمنہ مختلفہ میں انسانوں نے اپنے وقت اور حالات کے تقاضے کے مطابق معاشروں کی تشکیل کی۔ ان کی وجہ سے دنیا میں تہذیب و تمدن کا ارتقا ہوا‘ لیکن مرورِ زمانہ سے ان میں خرابیاں و بداطواریاں شروع ہو گئیں۔

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاشرے دو اقسام پر تشکیل ہوئے تھے۔ ایک خود انسانوں نے اپنی طرف سے اپنے حالات و واقعات کے مطابق تشکیل دیے تھے‘ دوسرے بحکمِ الٰہی بذریعہ انبیاء ورُسل علیہم السلام ان کی تشکیل عمل میں آئی۔ بہرحال معاشرے کسی بھی طریق سے تشکیل پائے ہوں لیکن تعلیماتِ صحیحہ کو فراموش کرنے کی وجہ سے ان میں خرابیاں در آئیں‘ جن کی وجہ سے یہ زوال کا شکار ہوتے چلے گئے۔ پھر ان زوال شدہ معاشروں میں روح پھونکنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر ﷺ کو مبعوث کیا اور آپؐ پر اپنی سب سے اعلیٰ و ارفع

☆ ریسرچ اسکالر شعبہ دینیات (سنی)‘ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی‘ علی گڑھ۔ یوپی

کتاب نازل کی۔ یوں اس دنیا میں ایک ایسا مثالی معاشرہ روبہ عمل ہوا کہ جس کی چمک دمک نے تمام دنیاوی نظروں کو خیرہ کر دیا۔ جو بھی اس کی روشنی میں آیا وہ سر جھکانے پر مجبور ہو گیا۔ قرآن کریم نے اس معاشرے کی بنیاد تین اصولوں پر رکھی: توحید‘ رسالت‘ آخرت۔

قرآن کریم نے مختلف آیات میں توحید کا حاصل یہ بتایا کہ ساری کائنات کا خالق و مالک اور حاجت روا و مشکل کشا صرف اللہ تعالیٰ ہی کو مانا جائے۔ اس کی صفاتِ مخصوصہ علم‘ کمال‘ قدرت‘ خلق‘ تقدیر وغیرہ میں ذرّہ برابر بھی کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ انسان یہ عقیدہ پختہ رکھے کہ اس دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ کے اِذن و مشیت سے ہوتا ہے۔ سارا جہاں اُس کا ملک و مملکت ہے‘ جس میں صرف اُسی کا حکم اور قانون چلتا ہے۔ اس کے مخالف کوئی بھی حکم اور قانون قابلِ عمل نہیں‘ بلکہ ردّ کے قابل ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے مباحات کا ایک وسیع دائرہ رکھا ہے جس میں انسانوں کو اپنے زمانے اور عہد کے موافق قانون سازی کا حق دیا گیا ہے۔ ایسے میں سوال یہ ہے کہ قانونِ خداوندی تک بندے کی رسائی کیسے ہو؟ اس کے لیے خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک مہتم بالشان سلسلہ اپنے مخصوص بندوں کا انبیاء ورسل علیہم السلام کی شکل میں جاری فرمایا۔ ان کے ذریعہ وہ عام انسانوں تک اپنا ہدایت نامہ نازل فرماتا رہا اور پھر اس نے اپنی آخری کتاب اپنے سب سے مخصوص بندے محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل کر کے قیامت تک کے لیے اس کو ”کامل ہدایت نامہ“ (The Final Guidance) بنا کر حتمی شکل دے دی۔ لہٰذا جو شخص اس ہدایت نامہ پر عمل کرے گا اس کا ٹھکانا اللہ کے نزدیک جنت ہے اور جو اس پر عمل نہیں کرے گا اس کا ٹھکانا جہنّم ہے‘ یعنی نیکوکار لوگوں اور بدکار لوگوں کے مابین فیصلہ کرنے کے لیے اللہ نے ایک قانون بنایا ہے جس کو ہم ”جزا وسزا کے قانون“ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہر انسان کو بعد الموت اس سے سابقہ پڑتا ہے۔ یہی وہ قانون ہے جو انسان کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ اسے آخرت میں ہر اچھے اور بُرے عمل کا جواب دہ ہونا ہے‘ لہٰذا وہ ایک صالح انسان بننے کی سعی کرتا ہے۔ الغرض یہ اصولِ ثلاثہ ایک دوسرے پر مترتب ہیں اور ان سب کی اصل توحید ہی ہے جو درحقیقت نجاح وفلاح اور امن وسکون کی ضامن ہے۔

قرآن مثالی معاشرہ کی بنیاد ان تین اصولوں پر رکھ کر انسان کے اندر اخلاقِ فاضلہ کا ملکہ پیدا کرتا ہے اور اخلاقِ رذیلہ سے اس کے قلب و دماغ کو پاک صاف کرتا ہے۔ ایک مثالی

معاشرہ کے عناصر ترکیبی اور اس کے موانع ومشکلات قرآن تفصیل سے بیان کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن کا دعویٰ ہے کہ انسان جب اَخلاقِ حسنہ یعنی صدق وعفت‘ صبر وشکر‘ قناعت‘ سخاوت‘ ہمدردی‘ اخوت جیسی صفات سے آراستہ ہوگا اور بری صفات جیسے زنا‘ جھوٹ‘ تہمت‘ منافقت‘ دھوکہ بازی‘ دوغلا پن وغیرہ سے مخلّیٰ ہوگا تو ایک مثالی معاشرہ کا قیام ہوگا۔ اسی طرح قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ انسان وہ حقوق جو اللہ نے اس پر دیگر لوگوں کے حوالے سے متعین کیے ہیں ادا کرے‘ مثلاً والدین کے حقوق‘ اولاد کے حقوق‘ رشتہ داروں کے حقوق‘ ہمسایوں کے حقوق وغیرہ۔ ایسی چند آیات جو مثالی معاشرہ کی تشکیل میں معاون ہیں‘ ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

❁ اخلاص:

’’دیکھو خالص عبادت اللہ ہی کے لیے ہے۔‘‘ (الزمر:۳)

❁ اللہ تعالیٰ کا استحضار:

’’اور تم جہاں کہیں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔‘‘ (الحدید:۴)

❁ تعاون علی البِرّ والتقویٰ:

’’اور ایک دوسرے کی مدد کیا کرو نیکی اور تقویٰ والے کاموں میں۔‘‘ (المائدۃ:۲)

❁ استقامت:

’’(اے پیغمبر ﷺ!) جیسا آپ کو حکم ہوتا ہے اس پر جمے رہو۔‘‘ (ھود:۱۱۲)

❁ مصالحت بین الناس:

’’پس تم اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو۔‘‘ (الانفال:۱)

❁ تواضع اور نرم خوئی:

’’اور ایمان والوں سے خاطر اور تواضع سے پیش آئیں۔‘‘ (الحجر:۸۸)

’’تو آپ بھی یتیم پر ستم نہ کرنا‘ اور سائل کو جھڑکی نہ دینا۔‘‘ (الضحیٰ:۹‘۱۰)

❁ صحبتِ صالحین:

’’اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور راست بازوں کے ساتھ رہو۔‘‘ (التوبۃ:۱۱۹)

❁ بنی آدم کا حق:

’’اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزّت دی۔‘‘ (بنی اسرائیل:۷۰)

❁ غُصّہ کو پی جانا:

’’.... اور غُصّہ کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں۔ اور اللہ نیکو کاروں کو دوست رکھتا ہے۔‘‘ (آلِ عمران:۱۳۴)

❁ ایثار وقربانی:

’’اور دوسروں کو اپنی جانوں پر مقدّم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہو۔‘‘ (الحشر:۹)

❁ جھوٹ‘ بہتان‘ غیبت اور مختلف گناہوں سے بچنا:

’’آگاہ رہو اللہ لعنت بھیجتا ہے اُن لوگوں پر جو جھوٹے ہیں۔‘‘ (آل عمران:۶۱)

’’اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو‘ ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا (ہی) برا ہے۔‘‘ (الحجرات:۱۱)

’’اور سراغ مت لگایا کرو‘ اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مَرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس کو تم ناگوار سمجھتے ہو!‘‘ (الحجرات:۱۲)

بالاختصار مثالی معاشرہ کے قیام کے لیے عناصرِ ترکیبی اور موانع ومشکلات قرآن نے جابجا ذکر کیے ہیں۔ ان تعلیمات کی روشنی میں انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی ذات سے اصلاح کی سعی کرکے معاشرہ میں مثالی کردار کے ساتھ ایک مثالی معاشرے کی تشکیل کے لیے تن من دھن کے ساتھ جُہدِ مسلسل سعی پیہم کرتا رہے۔ ان شاء اللہ مثالی معاشرہ کا قیام روبہ عمل ضرور ہوگا اور دنیا جس معاشرہ کی تشکیل کے لیے سسک رہی ہے اسے وہ اپنی نظروں سے دیکھے گی!

❁❁❁

اپنے ذاتی اوقات میں سے کم از کم نصف گھنٹہ نکال کر ’’بیان القرآن‘‘ کے ترجمہ وترجمانی کا ضرور مطالعہ کریں‘ آپ یقیناً مستفید ہوں گے۔ (ان شاء اللہ!)

Mar. 2023
Vol.72
Regd. CPL No.115
No.3

Monthly **Meesaq** Lahore

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے ”شعبہ تحقیق اسلامی“ (IRTS) کے زیرِ انتظام ابلاغِ عامہ و افادۂ عام کی ویب سائٹس

موبائل فون / آئی فون ایپس

- محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی تمام کتابیں موبائل فون پر مطالعہ کرنے کے لیے گوگل پلے سٹور پر لکھیں:

Tanzeem Digital Library

- بیان القرآن کی آفیشل ایپ حاصل کرنے کے لیے گوگل پلے سٹور پر لکھیں:

Bayan ul Quran - Dr Israr Ahmad IRTS

- محترم پروفیسر حافظ احمد یارؒ۔ لغات و اعرابِ قرآن پر ایپ سے استفادہ کے لیے گوگل پلے سٹور پر لکھیں:

Lughat o Aerab e Quran